ساحرِ شہرِ خوباں

(تنقید)

ترتیب و تدوین:

فریدہ انجم

ساحرِ شہرِ خُوباں

[حسنین ساحر کی شخصیت اور فن کے حوالے سے معاصر اہلِ نقد و نظر کے مضامین]

ترتیب و تدوین:

فریدہ انجم

(پٹنہ سٹی، انڈیا)

ناشر

ارم پبلشنگ ہاؤس، دریاپور، پٹنہ ۔ ۴

Sahir-e-Shehr-e-Khoobaa'n

(Criticism)

By

Farida Anjum

کتاب	:	ساحرِ شہرِ خوباں
ترتیب وتدوین	:	فریدہ انجم
پتا	:	پٹنہ سٹی، پٹنہ۔۸ (انڈیا)
موبائل	:	91-82358 51828
اشاعت	:	جون2023ء
ناشر	:	ارم پبلشنگ ہاؤس، دریاپور، پٹنہ۔ ۴
قیمت	:	300روپے

ملنے کے پتے

☆ بک امپوریم، سبزی باغ، پٹنہ۔ ۴

☆ پرویز بک ہاؤس، سبزی باغ، پٹنہ۔ ۴

انتساب

شعروسخن کی اُس خوشبو کے نام
جو سرحدوں سے ماورا ہے

ترتیب

﴿حصہ دوم﴾

......☆......

عرضِ مرتب

زیرِ نظر کتاب ''ساحرِ شہرِ خُوباں'' میں حسنین ساحر کی شخصیت اور فن کے سیاق میں لکھے گئے معاصر علمی و ادبی شخصیات کے مضامین کو ترتیب دیا گیا ہے۔ اس کتاب میں شامل مضامین مؤقر ادبی رسائل اور اخبارات کی زینت بن چکے ہیں جنھیں قارئین کے لیے یکجا کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ حسنین ساحر معروف شاعر و محقق ہیں اور ادبی دنیا میں ایک منفرد پہچان رکھتے ہیں۔ اس کتاب میں شامل مضامین میں اُن کے فکری و فنی محاسن کے ساتھ ساتھ بطور محقق و مدوّن ان کی خدمات کو بھی اجاگر کیا گیا ہے۔ کتاب دو حصوں میں منقسم ہے۔ پہلے حصے میں ان کی شاعری کے حوالے سے مضامین شامل ہیں، جب کہ دوسرا حصہ ان کی تحقیق و تدوین اور شخصیت کے تناظر میں لکھے گئے مضامین پر مشتمل ہے۔

دیباچہ لکھنا اکثر کتاب لکھنے سے زیادہ مشکل ہو جاتا ہے۔ طبع زاد یا تخلیقی کتاب میں دیباچے کی اپنی اہمیت ہے لیکن تحقیق، ترتیب اور تدوین کی صورت میں محقق، مرتب اور مدوّن کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ وہ کتاب کا تعارف اور مقصد و مدعا قارئین کے سامنے پیش کرے اور میں سمجھتی ہوں کہ اس فریضے کی ادائی کے لیے اس تحریر کی ابتدائی چند سطریں ہی کافی ہیں۔ چوں کہ اس کتاب میں شامل مضامین میں حسنین ساحر کی شخصیت اور فن پر بہ طریقِ احسن روشنی ڈالی گئی ہے، اس لیے میں قارئین پر طویل دیباچے کا بوجھ نہیں ڈالنا چاہتی۔

اس کتاب سے متعلق آپ کی قیمتی رائے کی منتظر ہوں۔

فریدہ انجم
(پٹنہ سٹی، انڈیا)

حصہ اوّل

شاعری ساحری نہیں آ گہی ہے

پروفیسر ڈاکٹر مقصود جعفری

فصیلِ جاں نوجوان شاعر حسنین ساحر کی غزلیات کا مجموعہ ہے۔ جو انھوں نے باکمال محبت مجھے بھیجا۔ شاعری کی اکثر کتب کا روایتی انداز میں اکثر شاعر حمد و نعت سے آغاز کرتے ہیں۔ حسنین ساحر نے پہلی غزل ''حمد یہ غزل''، لکھی جو جودت فکر اور شدتِ عقیدت کی مظہر ہے۔ کہتے ہیں:

تمھاری جلوہ نمائیاں ہیں جہان بھر میں
مری بصارت کا امتحاں ہے، عجب سماں ہے
کسی سے نفرت کروں تو کیسے، مجال کیسی
ہر ایک چہرے میں تو نہاں ہے، عجب سماں ہے

''تلخیاں'' جیسی انقلابی کتاب کے مصنف ساحر لدھیانوی کے بعد کئی شعرا نے ''ساحر''، تخلص کے بطور لکھا۔ شاعر کو ساحر ہی کہا جاتا ہے۔ شاعری دراصل ساحری ہے۔ دل و دماغ کو گرفت میں لے لیتی ہے۔ حسنین ساحر بھی واقعی ساحر ہے۔ اس کی شاعری روایت و جدت، جذبہ و تعقل، شباب و انقلاب، دانش و بینش اور محبت و مروّت کا حسین گلدستہ ہے۔ ایک توانا آواز ہے۔ متاعِ سوز و ساز ہے۔ فصیلِ جاں آوازِ جواں ہے۔ رازِ عرفاں ہے۔ زبانِ شیریں فارسی کے بھی چند اشعار شامل کتاب ہیں جو کیف و کیفیت اور سرور و شعور کے آئینہ دار ہیں۔ یہ فارسیت کا اثر ہے کہ ان کی غزلیات میں غنائیت ہے۔ کئی اشعار میں فارسی اور اُردو کا ملاپ ہے۔ لکھتے ہیں:

رہبر و رہنما ہیں آسودہ
خلقتِ گریہ بار می بینم

راہ مسدود سامنے منزل
ساحرؔ بے قرار می بینم

حسنین ساحر کی غزلیں اس حقیقت کی غماز ہی کہ غزل زندہ وتابندہ و پائندہ صنفِ اُردو ادب ہے جو ہر زمانے میں تروتازہ رہے گی۔ غالبؔ نے ''تنگنائے غزل'' کا شکوہ کیا اور وسعتِ بیاں کے لیے کسی اور پیرائے کی تمنا کی مگر غالبؔ آج بھی غزل کی بدولت ہی غالب ہے۔ حسنین ساحر کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

شاخ سے ٹوٹ کر گرا ہوں میں
ایک پتا سرِ ہوا ہوں میں
ایک شعلہ ہے میری فطرت میں
یہ نہ سمجھو کہ بجھ چکا ہوں میں

یہی وہ شعلہ جوالہ ہے جسے آتشِ عشق کہتے ہیں جو قلبِ شاعر میں سلگتا رہتا ہے اور شاعر شعر کہتا ہے۔ بقول حسنین ساحر:

رہے گا کب تلک پت جھڑ کا موسم
یہ رِم جھم کب تھمے گی آنسوؤں کی
نیا اُمید کا سورج کہاں ہے
چھٹیں گی بدلیاں کب ظلمتوں کی

......☆......

[اقتباس از کالم ''حکمت وحکومت''، روزنامہ نوائے وقت، یکم فروری 2019ء]

ادب اور دعا کا رشتہ

ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ

یہ فیس بک کی دنیا کا قافلہ بھی عجیب ہے۔اس میں یہ مقولا سچ ثابت ہوتا ہے کہ ''آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل''۔آپ روز بیٹھیں، اپنی پوسٹیں اپ ڈیٹ کریں اور روز لوگوں کی نظر سے آپ کی پوسٹیں گزریں تو آپ لوگوں کو یاد رہتے ہیں۔اگر ایک ہفتہ بھی آپ اس کا استعمال چھوڑ دیں تو آپ رفتگاں کی طرح لوگوں کے ذہنوں سے محو ہو جاتے ہیں۔ یہ دنیا جتنی خوب صورت ہے اتنی ہی بے مروّت بھی ہے۔مگر اس کے باوجود اس ریلے میں کچھ ایسے مسافر بھی مل جاتے ہیں جن کے ساتھ ادب اور احترام کا ایسا رشتہ قائم ہو جاتا ہے، جو وقت کی اونچ نیچ کے باوجود قائم ودائم رہتا ہے۔ کیوں کہ رشتے ٹوٹتے وہی ہیں جن کی بنیاد صرف ضرورت ہو۔خلوص اور احترام کے رشتے دائمی ہیں اور سلامت رہتے ہیں۔اسی قافلے میں جہاں مجھے اور بہت سے اچھے اور نیک نیت انسان ملے جنھوں نے دل سے میرا احترام کیا اور میں نے بھی اس احترام کو نبھایا، اُنھی میں ایک شخصیت حسنین ساحر کی بھی ہے۔ حسنین ساحر سے میری ملاقات نہیں ہے لیکن ان کے ساتھ ایک ادب اور احترام والا تعلق گزشتہ نو دَس سال سے ہے۔اس کے ساتھ ساتھ میرا اور اُن کا رشتہ دعا کا بھی ہے۔وہ اس طرح سے کہ بہت سے لوگوں کی طرح میں نے بھی لوگوں سے رابطے میں رہنے اور دعا دینے اور لینے کے خیال سے فون میں صبح بخیر اور جمعہ بخیر کے گروپ بنائے ہوئے ہیں جن میں حسنین ساحر کا نام بھی شامل ہے۔اگر میں کسی دن بوجہ بھول بھی جاؤں میسج کرنا تو یہ نیک نیتی سے یاد دلا دیتے ہیں کہ میں دعا کیوں نہ بھیج سکی۔بھلا دعا کی کسے ضرورت نہیں ہوتی۔

ادبی حوالے سے سوشل میڈیا پر ادبی حلقوں سے رابطے میں رہنا میری مجبوری

ہے۔مگر میری کوشش ہوتی ہے کہ میں اس کا استعمال کم سے کم کروں۔میڈیکل پروفیشنل مصروفیات کے باعث وقت بھی کم دے پاتی ہوں جس کی وجہ سے ادبی دوڑ میں اکثر پیچھے رہ جاتی ہوں اور دوست احباب کے گلے شکووں کا شکار بھی۔۔۔مگر اس دوڑ میں آگے رہنے کو میں نے اپنی مجبوری کبھی نہیں بنایا۔کیوں کہ آج ہم ہیں تو کل نہیں۔کل کوئی اور ہوں گے ہم نہیں۔۔۔

حسنین ساحر سے فون پر بات ہوئی تو ان کی شخصیت کے پرتو کھلے۔وہ ماشاء اللہ ایک صاحبِ فراست اور منفرد طرزِ احساس رکھنے والے شاعر ہیں۔ان کی شاعری پڑھ کے اور ان کی شخصیت کے متعلق جان کے میں اس نتیجہ پر پہنچی ہوں کہ وہ ایک ایسے انسان اور شاعر ہیں کہ جن کا ظاہر اور باطن ایک جیسا ہے۔

شاعری کی جلوہ سامانی نہاں خانۂ دل سے آغاز ہوتی ہے اور پھر اسلوب کا لباس زیب تن کر کے خیال اور لفظ کے حسین امتزاج کا آئینہ دکھاتی ہے۔حسنین ساحر کی نسبت انھیں شعروادب میں کئی زاویوں سے معتبر بناتی ہے۔ان کی ذات وشاعری میں روحانیت اور زمان ومکان؛ دونوں کا اسلوب ملتا ہے۔شعروادب سے شغف اور تخلیقی صلاحیتوں کا اظہار اس صورت میں ممکن ہے کہ فکرونظر کی فروغ پذیری کے لیے ماحول سازگار ہو۔مطالعہ کرنے کی عادت اور شاعروں اور ادیبوں کی صحبت میں رہنے سے قلم سینۂ قرطاس پر خودبخود لکیریں کھینچنے پر مائل ہوجاتا ہے۔حسنین ساحر کی شاعری پڑھ کر یہ احساس جاگتا ہے کہ انھیں مطالعہ کی عادت بھی ہے اور شاعروں سے تعلق تو ان کے اپنے گھر میں موجود ہے کہ ان کے خانوادہ میں ان کے بھائی جناب محمد ثقلین ضیغم بھی شاعر ہیں۔

حسنین ساحر ایک وسیع المطالعہ شاعر ہیں۔ انھوں نے کلاسیکی ادیبوں اور شاعروں کو پڑھا ہے۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ انسان ہیں۔ ایک متوازن شخصیت ہیں۔ ان کی شاعری ان کے احساس کا ہمہ جہت آئینہ دکھاتی ہے جس میں غمِ دل، غمِ دنیا، حوصلہ اور دل

شکستگی جیسے سب رنگ اپنی فطری اصلیت میں موجود ہیں۔ان کے ہاں نگاہِ شوق میں رکھی گئی رنگینیٔ حُسنِ بتاں کی دل آویزی بھی ہے اور اپنے لہو میں نہا کر شب کی سیاہیوں کو مٹاتے ہوئے قلم کی ولولہ انگیزی بھی ہے۔

غزل اُردو شاعری کی سب سے زیادہ مقبول، مرغوب، مترنم اور پسندیدہ صنف ہے۔جس میں ہر عہد کے شاعروں نے جی کھول کر طبع آزمائی کی ہے۔غزل پر کبھی جمود طاری ہوا بھی تو صرف عارضی طور پر، کہ نئے موضوعاتِ سخن اور نئے تخیلی و تخلیقی امکانات کی روشنی میں غزل نے عصری تقاضوں اور جدید علوم کو نہ صرف لبیک کہہ کر قبول کر لیا بلکہ ان سے اپنے وجود کے لیے استحکام و ارتقاء کے نئے راستے کھول دیے۔حسنین ساحر نے بھی شاعری میں اپنی پہچان غزل سے بنائی۔ان کی شاعری میں قوتِ اظہار کے ایک قدرتی بہاؤ کا احساس ہوتا ہے۔اور قدرت کی فیاضی نے حسنین ساحر کو شاعری کے فکری اور تخلیقی عوامل سے آگاہ کرانے میں قطعاً بُخل سے کام نہیں لیا۔حسنین ساحر سادگی، آسانی اور جولانی سے غزل کہتے ہیں۔انھوں نے اپنے کلام میں جیون کی دھوپ چھاؤں اور اس جہانِ آب و گل سے اپنی محبت اور لگن کو خوب صورتی سے اجاگر کیا ہے۔نمونۂ کلام دیکھیے:

مرا داخل کوئی زنداں ہے شاید
مجھے خود سے نکلنا پڑ گیا ہے
یہاں اقدار مرتی جا رہی ہیں
زمیں کو اب مچلنا پڑ گیا ہے

غزل کے ان گنت موضوعات ہیں۔قطرے میں ہر لحظہ سمندر اور ذرۂ خاک میں خورشید کا منظر دیکھنے کی خاطر چشمِ دل کو وا رکھنے کی ضرورت پیشِ نظر رہتی ہے۔حسنین ساحر نے غزل میں خود آگہی، خودشناسی، عرفانِ ذات، غمِ کائنات اور غمِ عشقکے ساتھ ذات اور کائنات کی تفہیم کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔عشق کے درجات، غمِ جاناں سے شروع ہو

کر غمِ دوراں کی منزلیں طے کرتے بالآخر اس واحد ذات کے روبرو جب پہنچتے ہیں تو یقیناً عشق کا دیوانہ ایک خاک کے ذرے سے آتشِ عشق میں جلتا، کندن بن چکا ہوتا ہے:

کیا بتاؤں الفتوں سے کیا ملا
دردِ ہجراں، عشق کا نوحہ ملا

....

جب سے رستے پہ آ گیا ہوں میں
کوئی بھی دَر کھلا نہیں دیکھا
ساری دنیا میں ڈھونڈ آیا ہوں
عشق سا رہنما نہیں دیکھا

ربّ کائنات نے لوح و قلم کو توقیر دی ہے۔ صاحبِ قلم ہونا اللہ پاک کی عنایت اور نعمتِ جاریہ ہے۔ حسنین ساحر شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ استاد بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ اپنے دونوں شعبوں سے انصاف کرتے ہوئے ادب اور دعا کے رشتوں کی حفاظت کرتے رہیں۔ آمین۔

......☆......

[سہ ماہی ''دستک۔ مری''، ستمبر۔ دسمبر، 2021ء]

شاعرِ فصیلِ جاں: حسنین ساحر

بابر علی بابر

معاملاتِ محبت بھی عجیب ہوا کرتے ہیں۔ جب کسی کے ساتھ کی خواہش ہو اور وہ نہ ملے تو یہی خواہش حسرت بن کر دل کے سنگھاسن پر براجمان ہو کے جسم و جاں کیلئے باعث ملال بن جایا کرتی ہے۔ زندگی بہت اداس معلوم ہونے لگتی ہے۔ پھر ایسے میں کوئی شخص چپکے سے دھیرے سے ہمارا ہاتھ تھام لیتا ہے اور ہم ماضی کے ملال میں کھوئے قدم قدم اس کے ساتھ چلنے لگتے ہیں۔ وہ اپنا ایک ایک لمحہ ہم پر نچھاور کر دیتا ہے اور غیر محسوس انداز میں ہماری حسرتوں کے رِستے زخموں پر اپنی چاہتوں کے مرحم رکھتا چلا جاتا ہے۔ کسی کے لفظ ہمارے لیے امرت بن جایا کرتے ہیں۔ ہمارے خزاں رسیدہ ہونٹوں پر سرخ کونپلیں نمو پانے لگتی ہیں۔ وہ شخص چپکے چپکے ہمارے دامن سے دُکھوں کے سب کانٹے چن لیتا ہے اور اپنی خوشیوں کے سارے پھول ہمارے دامن میں بھر دیتا ہے۔ پھر جب غموں کی برسات کے بعد ہم بھیگی بھیگی سی پلکیں اُٹھا کر دیکھتے ہیں تو ہماری ہر طرف پھول ہی پھول کھلے ہوتے ہیں، محبتوں کے پھول، چاہتوں کے پھول، رفاقتوں کے پھول۔ کسی کی توجہ کسی کا پیار کسی کے ہونے کا احساس ہمارے لیے ''فصیلِ جاں'' بن چکا ہوتا ہے اور ہم پھر سے جینے لگتے ہیں:

میں نے دیکھا تھا مُسکرا کے اُسے
اب سمجھتی ہے خاص وہ خود کو

دُھوپ چھاؤں کا یہ حسیں امتزاج، حنا رنگوں کی یہ رعنائی اور اس سب کا رچاؤ، اس مسیحائے قلب و جاں کے اشعار میں نظر آتا ہے جسے دنیائے ادب حسنین ساحر کے نام

سے جانتی ہے۔ ''فصیلِ جاں''، حسنین ساحر کا غزلیہ مجموعہ ہے۔ افکار و اظہار میں دسترس رکھنے والے اس شاعر کا یہ مجموعہ لفظی اُلٹ پھیر کا نام نہیں بلکہ وارداتِ قلبی کا آئینہ دار ہے۔

حسنین ساحر کا شمار اُردو اور پنجابی زبان و ادب کے جدید شعراء میں ہوتا ہے۔ ساحرؔ اسم با مسمّٰی ہیں۔ اِن کے لفظوں کا طلسم قاری کے حواس کو اپنے سحر میں گرفتار رکھتا ہے۔ ساحرؔ کے اشعار ممتنع، جدتِ ادا، سلیس اندازِ بیاں اور طرزِ ادا میں ترنم کے باعث، ذہن کے دریچوں پہ دستک دیتے ہوئے روح کی گہرائیوں میں اترتے چلے جاتے ہیں۔ ان کی تخلیقات نازک اور حساس جذبات کا سرمایہ بھی ہیں اور گراں قدر اہمیت کی حامل بھی۔ لفظوں کی ڈوریوں میں خوابوں کو پروتا یہ سازِ نو دِلوں کے تار چھیڑتا حرم روح میں گونجتا ہے تو دل گواہی دیتا ہے:

چاہت آسودہ دِلوں ہی میں پنپتی ہوگی
کہہ رہا ہے میرے اندر کا گیانی ساحرؔ

حسنین ساحر کا لفظ لفظ وجودِ خزاں رسیداں میں برگِ اُمید کی مانند کھلتا ہے اور نخلِ جاں کو ثمر بار کرتا چلا جاتا ہے۔ محبت کی پُر خار راہوں کا یہ مسافر ہجر و وصال کے موسموں میں انفاس کی حدت کو محسوس کرتا، زلفِ جاناں کا اسیر نظر آتا ہے۔ محبت کے جاں گداز لمحے اور متاعِ درد کے سوغات دامنِ دل میں سمیٹے رفاقتوں کے گم نام جزیروں کو تلاشتا، ہجر کی آگ میں سلگتا یہ دیوانہ وصل کے طلسم کی حدتوں میں گم ملتا ہے:

ہو رہے ہیں تیرے انفاس کی حدت سے عیاں
لمحۂ وصل کے ترسیدہ طلسمات کے رنگ

حسنین ساحر کا رنگِ سخن دھنک رنگوں کے مانند کھلتا اُفقِ زیست کو اپنی رنگینوں سے بھرتا چلا جاتا ہے۔ محبت کے شوخ رنگوں میں احساس کا ورقِ سادہ بہار رنگوں سے سنور سنور جاتا ہے۔ خزاں رُتوں کے یہ زرد لمحے رگِ جاں سے اُترنے لگتے ہیں۔ اُمید کا سورج

شب کی آنکھوں میں تعبیروں کے سویرے سجانے لگتا ہے۔ وہ اُداسی کی اس شام میں کسی کی چوڑیوں کی کھنک سنتا ہے اور حیران ہوتا ہے:

رات کے کہر آلود سناٹوں میں
اس کی چُوڑی کھنکتی پہ حیرت ہوئی

یادوں کے گھنے سائے کبھی تو راحتِ جاں ہو جایا کرتے ہیں اور کبھی کوئی یاد ہماری پلکوں کی دہلیز پر چمکتے پانیوں کی مانند شب بھر ہمیں جگائے رکھتی ہے۔ ہجر کے ماروں کیلئے دُوری کے لمحات سانس سانس پہ بھاری ہوا کرتے ہیں۔ حسنین ساحر بھی ہجرِ یاراں کی پہلوں سے لپٹا درد کی آگ میں سلگتا نظر آتا ہے:

یوں لہو اشکوں میں تحلیل ہو جاتا ہے
دل میرا سینے میں اک جھیل ہو جاتا ہے

خوابوں کے جہان میں بسر کرنے والا یہ عاشقِ شکستہ جاں، تمام تلخیوں کو دامنِ دل میں مثلِ متاعِ عزیز سمیٹتا اپنی ذات میں ایک جہان بسائے ہوئے ہیں۔ سرمگیں پلکوں پہ پنپتے سنہری خواب شبنم کے موتیوں کی مانند چمکتے تو ہیں لیکن دن کی روشنی میں یہ زندہ نہیں رہ پاتے۔ سورج کی پہلی کرن ان خوابوں سے زندگی چھین لیتی ہے:

جہانِ خواب میں چلنا محال ہو گیا ہے
قدم قدم میرا ساحرؔ نڈھال ہو گیا ہے

گردشِ دوراں کی تلخیوں کو سہتا اتفاقاتِ زمانہ کی حقیقتوں کو پرکھتا ساحرِ بے اماں، حسنِ ماضی کی پرملال یادوں میں گرفتار نظر آتا ہے۔ جس چہرے پہ چمکتے چاند کا گماں ہوتا تھا اس پہ جب زمانے کی سختیوں کے گہرے سائے در آئیں تو عجیب سی وحشت و ویرانی نظر آنے لگتی ہے اور حسن کی یہ ماندگی حسنین ساحرؔ کو اکثر بے چین بنا دیتی ہے:

وقت نے بنایا ہے خار و خس سرابوں کا
ورنہ میں بھی تھا موضوع حسن کی کتابوں کا

وہ حالات کی ماری انسانیت کا غم دل سے قریں رکھتا ہے۔ سسکتے بلکتے ابنِ آدم و بنتِ حوا کی لاچاریاں حسنین ساحرؔ کے حساس جذبوں کو اور بھی گداز بنا دیتی ہے۔ بورژوا اور پرولتاری کا تضاد اسے بے چین کیسے رکھتا ہے۔ ایک طرف عیش وعشرت کا سامان اور دوسری طرف مفلسی کی زنجیروں میں جکڑے لاغر جسم، وہ فطرت کے اس تضاد پہ بے طرح سوال اُٹھاتا ہے:

امیرِ شہر کا چہرہ ہے روشن
بجھی سی کیوں ہیں آنکھیں مفلسوں کی؟

گاؤں اور دیہات حسنِ فطرت، سادگی، معصومیت، خلوص اور وفا کے آئینہ دار ہوا کرتے ہیں۔ لیکن عصرِ حاضر میں شہروں کی بڑھتی ہوئی افراط نے فطرت کے اس حسن کو گہنا دیا ہے۔ جدتوں کے حریص پنجے نے اِن کا حسن نوچ لیا ہے۔ گاؤں کا حسن رو بہ زوال نظر آتا ہے اور حسنین ساحر انسان کی اس بے حسی پہ نوحہ کناں نظر آتا ہے:

گاؤں دفن ہوئے ہیں شہروں کے نیچے
میں بھی تو اِک قبرستاں میں رہتا ہوں

مجاز کی شوخیوں سے حقیقت کی سادگی تک، بلند و بانگ قہقوں سے سنجیدہ ہنسی تک، آزاد منش حسنین ساحر کی زیست کا یہ سفر اَن گنت تجربات سے مزین ہے۔ اَناالحق کے رموز سلجھاتا اور حق کی صداقتوں کو پرکھتا یہ ساحرؔ قدم قدم پر جلوہ ہائے یزدانی کے مظاہر دیکھتا ہے۔ تصوف کی شال اوڑھے معراجِ بشریت پر پہنچتا ہے تو بے طرح کہہ اُٹھتا ہے:

ہر طرف حسنِ ازل کے ہیں مظاہر، ساحرؔ
اور ہر شے میں عیاں جلوۂ یزدانی ہے

……☆……

[روزنامہ ''اودھ نامہ''، لکھنؤ، انڈیا۔ 3 دسمبر 2019ء]

میں نے خود میں خودی کو دیکھ لیا

فرزند علی سرور ہاشمی

فصیلِ جاں کا شاعر، حسنین ساحرؔ بھی کمال کا افسوں گر ثابت ہوا ہے۔ تخلص ساحرؔ ہونے کے باوصف ''فصیلِ جاں'' ساحرانہ اسلوب سے مزین ہے۔ سَحر تا شام اور شام تا شب، ساحرؔ کے سحر میں گندھے، سحر انگیز مصرعے، ساحرؔ کی ساحری کا پتا دیتے ہیں۔ اس کی فصیلِ جاں میں کوئی شگاف نہیں کہ سحر ٹوٹ سکے۔ ساحرؔ کے سحر نے فصیل کو مضبوطی سے تھامے رکھا ہے اور اس کے سحر حلال نے پورے شعری و ادبی منظر نامے کو مسحور کر رکھا ہے، یہی ساحرؔ کے سحر چل جانے کی نشانی ہے۔ ساحرؔ کی سحر طرازی کا خوب چرچا ہے اور غزل کے باب میں، بلاشبہ ساحرؔ کی سحر بیانی لاجواب ہے۔

وحدت الوجود اور خودی کے ادراک کے قدم بہ قدم، ساحرؔ کے ہاں رومانوی انداز سخن سر چڑھ کر بولتا ہے۔ ''مجھ پہ منصوریوں کا سایہ ہے، میں نے خود میں خودی کو دیکھ لیا'' اس کی خوب دلالت کرتا ہے۔ کہیں وہ ظلمتوں میں شمس کی کج ادائی پر، محبوب کے چہرے کو روشنی کا استعارہ بناتا ہے اور کہیں ان ظلمتوں میں مندرجہ مصرعے کہہ کر محبت کے شرارے کو شرط ٹھہراتا ہے۔ ''محبت ظلمتوں میں روشنی ہے، محبت کا شرارہ ڈھونڈتا ہوں''۔ ردیف اور قافیہ کے باب میں، ندرت خیالی اور نئے پن نے ساحرؔ کو صاحبِ طرز شاعر متعارف کرایا ہے۔ تکرار لفظی اور تجنیسی ربط نے مصرعوں کو معطر کر رکھا ہے اور کہیں استفہامیہ انداز سخن، قاری کو سرائے حیرت میں داخل کرتا ہے، جہاں سوال در سوال اور پھر جواب در جواب کا لامتناعی سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ گاہے اردو فارسی کا امتزاج اور ریختہ میں گندھی غزلیں، اقلیم سخن میں، ساحرؔ کی فنی مہارت کا منہ بولتا ثبوت ہیں:

نیم شب، کروٹیں، تری یادیں
خواب گہ زار زار می بینم

خوبصورت اور دل موہ لینے والے محاورات، تشبیہات و استعارات فصیلِ جاں کے خالق کے حصہ میں آئے ہیں۔ ''خانقاہِ دل تھی کیوں اجڑی ہوئی؟، ٹوٹا پھوٹا سا فقط کتبہ ملا'' ایسے گداز اشعار کہنے والے شاعر کو استعارے برتنے کا سلیقہ بخوبی آتا ہے۔ آنکھوں کو بجھتے دیے کا استعارہ بنانا بھی ساحرؔ جانتا ہے۔ اس کا محبوب سریلی دھنوں کا پیکر ہے، اور اس کی سنگت میں ہوا رقص کناں ہے۔ کہیں اپنی ذات کو آفتاب سے تشبیہ دیتے ہوئے، لوگوں کی نظریں چرانے پر، ساحرؔ شکوہ سنج ہے اور کہیں خود کو محبوب کی آنکھ میں پڑنے والا تنکا کہتا ہے، جس کے سبب محبوب دیکھنے سے کتراتا ہے۔ حسنین ساحر ''بیعتِ منصور'' ایسی تلمیحات سے اکتساب کرتا ہے اور ان الفاظ اور تراکیب کے پس پردہ قصص سے قاری کا رجحان ہٹنے نہیں دیتا۔ ''حرف غیرت پہ مرگئی غیرت'' ایسا تجنیسی ربط مصرعوں کو تازگی بخشتا ہے اور کسی دوسرے موقع پہ، تجرید کو قوت گویائی دینا اور کہیں صدا کو رقص کراتے، صوتی کو بصری قوت عطا کرنا ساحرؔ کا کمالِ فن ہے:

برف ٹوٹی ہے اس کے آنے سے
لب ہلے اور پھر صدا ناچی

حسنین ساحر نے چھوٹی بحروں اور سادہ زبان میں خوبصورت مصرعے کہے ہیں۔ ''ایک زرد پتا ہوں، شاخ سے گرا ہوں میں'' کہہ کر اس کی خوب دلیل دی ہے۔ صنائع بدائع کے باب میں پورا اترنے کی کوشش کی ہے۔ تکرار لفظی، مراعاۃ النظیر، تضاد، لف ونشر اور حسن تعلیل کی متعدد مثالیں فصیلِ جاں کی آئنہ دار ہیں۔ مزید برآں، اس کے اشعار میں محبت گویا ہے۔ کہیں حضرتِ انساں سے محبت کی تلقین ہے یعنی سچ کے سفر کی پکار ہے اور کہیں ممتا کی محبت کا پرتو موجود ہے۔ محبت کے باب میں، ساحرؔ کا سحر فقط محبت کے خمیر سے گندھا

ہے مثلاً ''چھوڑ کر بحث اب عداوت کی، آؤ باتیں کریں محبت کی''۔ معاشرے کی بے حسی پر بے بسی کے اظہار کے ساتھ ساتھ ملامت اور بے باکی کا عنصر بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔ یہ کہنے میں تامل نہیں کہ ساحؔر کا سحر، سحر گاہی سے ہوتا شام کی جانب رواں دواں ہے، مگر اس دوران میں اس کے سحر آگیں مصرعوں نے، شعری و ادبی دنیا کو مسحور کرنا ہے اور اس سحر زدہ ماحول نے ساحر ساحر کی صدا لگائی ہے۔

......☆......

[کالم: زادِراہ، روزنامہ ''نوائے وقت''، 20 جولائی 2018ء]

حسنین ساحر کی شاعری میں تلخیٔ دوراں

اورنگزیب (یاسین کلاں)

حسنین ساحر کا شمار اُردو کے نوجوان شاعروں میں ہوتا ہے۔ان کی غزلوں کا مجموعہ ''فصیلِ جاں'' کے نام سے شائع ہوا جس میں ۱۰۵ غزلیں شامل ہیں۔ پروفیسر ڈاکٹر مقصود جعفری حسنین ساحر کی ''فصیلِ جاں'' کے حوالے سے اپنے کالم ''حکمت وحکومت'' میں یوں رقم طراز ہیں:

> ''شاعری دراصل ساحری ہے۔دل ودماغ کو گرفت میں لے لیتی ہے۔حسنین ساحر بھی واقعی ساحر ہے۔ اس کی شاعری روایت وجدت، جذبہ وتعقل، شباب وانقلاب، دانش وبینش اور محبت ومروّت کا حسین گلدستہ ہے۔ایک توانا آواز ہے۔ متاعِ سوز وساز ہے۔فصیلِ جاں آوازِ جواں ہے۔رازِ عرفاں ہے۔۔۔حسنین ساحر کی غزل اس حقیقت کی غماز ہے کہ غزل زندہ وتابندہ و پائندہ صنفِ اُردو ادب ہے جو ہر زمانے میں تروتازہ رہے گی۔'' (نوائے وقت، ۱فروری ۲۰۱۹ء)

حسنین ساحر کی شاعری پڑھ کر بالکل بھی یہ احساس نہیں ہوتا کہ یہ ان کی پہلی کاوش ہے بلکہ وہ احساس وشعور کی دولت سے مالا مال ہیں اور اس کا اظہار ان کی شاعری میں ہوتا ہے۔وہ گردوپیش میں پیش آنے والے مسائل کے خلاف ایک توانا آواز ہے۔وہ معاشرے میں ہونی والی ناانصافیوں اور منفی رویوں کو نہ صرف محسوس کرتے ہیں بلکہ اپنی شاعری کے بدولت ان منفی رویوں کو شدید تنقید کا نشانہ بھی بناتے ہیں جس کی وجہ سے

ہمارے معاشرتی اقدار تباہ ہو رہے ہیں۔

حسنین ساحر کی شاعری ان کے دل کی آواز ہے۔ انھوں نے جو محسوس کیا اسے الفاظ کا روپ دے کر شاعری کی صورت میں ڈھالا ہے۔ ان کی شاعری سے اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ وہ انسانی رویوں میں بے حسی سے سخت نالاں ہیں۔ اس خیال کو انھوں نے شعر کی صورت میں یوں بیان کیا ہے:

سچ کہتے ہو لکھنا وکھنا میرے بس کی بات نہیں
میں کب شاعر ہوں میں تو بس اپنے دل کی لکھتا ہوں
بے حِس انسانوں کا جنگل، بدروحیں، سناٹے ہیں
سائیں سائیں سنتا ہوں تو سہما سہما رہتا ہوں

بے حسی کی وبا نے آدمی سے اس کی انسانیت چھین لی ہے۔ وہ اس وبا کی وجہ سے انسانیت کے تمام اسباق بھول چکا ہے۔ اسے اپنے مفاد کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا۔ اسے کسی کے دکھ درد سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کسی کے دکھ درد کو دُور کرنا تو درکنار وہ تو کسی کے درد کو محسوس تک نہیں کرتا۔ حسنین ساحر اس حوالے سے لکھتے ہیں:

چہرے پر میں کاغذ پہنے پھرتا ہوں
زندہ ہوں پر بے حس ہو کر جیتا ہوں
کس نے کتنا دَرد سہا ہے رب جانے
میں تو بس اخبار میں خبریں پڑھتا ہوں

جب بے حسی عام ہو جائے تو منافقت بھی عام ہو جاتی ہے۔ لوگ اندر سے کچھ اور ہوتے ہیں تو باہر سے کچھ۔ حسنین ساحر اس حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ بے حسی کے اس دور میں انسان روپ بدلتا ہے اور ہر چہرے کے پیچھے اک اور چہرہ چھپا ہوتا ہے یعنی ظاہر اور باطن میں فرق ہے۔ لوگ جیسے باہر سے نظر آتے ہیں اندر سے ویسے نہیں ہیں۔ بلکہ

ہر شخص نے اپنے اوپر منافقت کا خول چڑھا لیا ہے جس میں اصل چہرے کو پہچاننا مشکل ہو گیا ہے:

کیسے کیسے روپ ہیں انسان کے
چہرے کے پیچھے نیا چہرہ ملا

حسنین ساحر کی شاعری عصری مسائل کے خلاف آواز ہے۔ پاکستان میں تھر کے علاقے میں خوراک کی قلت کی وجہ سے سینکڑوں بچے لقمۂ اجل بن گئے لیکن بے حسی کے اس دور میں کسی نے بھی ان کے دکھ درد کا مداوا نہیں کیا۔ حسنین ساحر اس حوالے سے رقم طراز ہیں:

بھوک اب ناچتی پھرتی ہے اَجل کی صورت
تھر کے صحرا میں خدایا یہ قیامت کیا ہے؟

جس عہد میں بے حسی کی وبا عام ہوجائے وہاں انصاف نہیں ہوتا۔ امیر اور غریب کے لیے الگ الگ قانون بنتا ہے۔ مراعات یافتہ یا امیر تو اپنی دولت اور تعلقات کے بل بوتے پر اپنے گناہ چھپا لیتے ہیں، وہ اپنی تمام تر برائیوں کو اپنی دولت کے سہارے چھپا لیتے ہیں لیکن غریب پِس جاتا ہے۔ حسنین ساحر بھی اس رویے سے متاثر ہوئے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

احتساب میں اہلِ زَر ہی بچ نکلتے ہیں
اس قبیح سیاست نے نیک نامی دَھر لی ہے

....

منصف بھی آبیٹھا ہے نیلامی میں
وہ انصاف کی اَرزانی سے ڈرتا ہے

تہذیب وتمدن کو تباہ کرنے میں بڑا کردار جھوٹ کا ہے۔ انسان اتنا بے حس ہو

چکا ہے کہ وہ اپنا مطلب پورا کرنے کے لیے جھوٹ بولنے سے نہیں کتراتا، چاہے اس جھوٹ سے کسی کا کتنا ہی نقصان کیوں نہ ہوجائے۔ وہ اپنے تھوڑے سے مفاد کے لیے دوسروں کا بڑے سے بڑا انقصان کرنے سے بھی نہیں گھبراتا۔ اس کے دل میں ذرا سا خوف بھی پیدا نہیں ہوتا کہ اس کے جھوٹ سے کسی کا کتنا نقصان ہو رہا ہے۔ حسنین ساحر جیسا حساس شاعر کہاں اس رویے کو برداشت کرسکتا ہے۔ انھیں اس دور میں ہر روپ میں انسان جھوٹ کا سہارا لیتا ہوا محسوس ہوتا ہے کہ معاشرے میں ہر شخص اس بری خصلت کا شکار ہے۔ وہ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

اور دنیا کا ہو گا جس نے کبھی
جھوٹ کا راستہ نہیں دیکھا

حسنین ساحر معاشرے میں اپنی پرانی روایات کو دیکھنے کے خواہاں ہیں۔ ان کی آرزو ہے کہ سب ایک دوسرے کے ساتھ خلوص ومحبت سے رہیں اور ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوں لیکن ان کی آرزو وقت کے ساتھ ساتھ دم توڑتی جاتی ہے۔ کیوں کہ اس دور میں خصوصاً شہروں میں زندگی ایک مشین کی مانند ہوگئی ہے۔ شہر کے لوگ اپنے کاموں میں اس قدر مشغول ہوگئے ہیں کہ کسی کو ایک دوسرے کی خبر ہی نہیں ہوتی:

گھر فقط رہ گئے اب رات بسر کرنے کو
اب چلن شہروں کا تبدیل ہوا جاتا ہے

....

چاہتے تھے روشنی، سو جل رہے ہیں شہر سب
سوگ ہے کس بات کا، اب لوگ ہیں نم دیدہ کیوں؟

انسانوں کی اس بھیڑ میں حسنین ساحر کو امیرِ شہر سے بھی شکوہ ہے کہ کوئی بھی میرِ کارواں مخلص نہیں ہے، سب اپنے مفاد کو فوقیت دیتے ہیں۔ اس ضمن میں لکھتے ہیں:

کیوں فقط کشتی امیرِ شہر کی واپس بچی؟
کیوں فقط میں ہی مچلتے ساحلوں سے لڑ پڑا؟

....

امیرِ شہر کا چہرہ ہے روشن
بجھی سی کیوں ہیں آنکھیں مفلسوں کی؟

امیرِ شہر کا مقصد اپنے قافلے کی حفاظت ہوتی ہے لیکن جب اس کی نیت میں فتور ہو تو قافلے پار نہیں لگتے بلکہ وہ سب کو اپنے مفاد کے لیے استعمال کرتا ہے۔ وہ سب کی گردنوں پر پھلانگ کر خود تو پار لگ جاتا ہے لیکن دوسروں کو پار نہیں لگاتا۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ ہمارے معاشرے میں ایسے سچے رہنماؤں کی کمی ہے جن میں خود قربانی کا جذبہ ہو۔ جن میں سچی لگن ہو اور اپنے لوگوں سے مخلص ہوں۔ اس کے برعکس نا اہل لوگوں کو ہم پر مسلط کر دیا جاتا ہے جن کا مقصد سوائے اقتدار کے کچھ نہیں ہوتا۔ وہ تو بس طاقت کے حصول میں سرگرداں رہتے ہیں۔ حسنین ساحر اس حوالے سے رقمطراز ہیں:

میں نہ کہتا تھا کہ وہ قابل نہیں ہے تخت کے
میں ہوں پاگل، شہر کے کن جاہلوں سے لڑ پڑا

....

ہوس ہے اقتدار کی یا طاقتوں کی جنگ ہے
اُجڑ گئی ہیں بستیاں، یہ کیسا حال ہو گیا

حسنین ساحر کی شاعری میں انسانیت سے محبت کا درس ملتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ معاشرتی بے اعتدالی پر بے حسی کا مظاہر نہیں کرتے بلکہ اس کے خلاف اپنے قلم سے جہاد کرتے ہیں۔ وہ مفاد پرستی، جھوٹ، بے حسی، مکر و فریب سے سخت نالاں ہیں۔ لیکن وہ قاری کو نا اُمید نہیں کرتے بلکہ اس کے دل میں امید کی کرن پیدا کرتے ہیں کہ ان حالات کو

بھی بدلا جا سکتا ہے اور اس معاشرتی بے حسی کو ختم کیا جا سکتا ہے۔ان کی شاعری سے قاری نہ صرف اپنے گردو پیش کے مسائل پر غور کرتا ہے بلکہ اس کے دل میں ان مسائل کو ختم کرنے کا جذبہ بھی پیدا ہوتا ہے:

گرا دو سب فصیلیں نفرتوں کی
صلیبیں کاٹ دو سب فاصلوں کی

....

کس سمت چل پڑے ہیں رویے سماج کے؟
آؤ کریں دوبارہ سے اقتدار کی نمو

......☆......

[ماہنامہ ''صبحِ بہاراں'' راولپنڈی، جولائی 2019ء]

''فصیلِ جاں'' کا شاعر: حسنین ساحر

ڈاکٹر محمد سخی خان

حسنین ساحر کی غزلوں کا مجموعہ ''فصیلِ جاں'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ اچھوتے اور متنوع مضامین کے علاوہ اس مجموعے کا اہم پہلو اس کا اسلوب ہے۔ الفاظ و تراکیب کے تجربات اس مجموعے کا خاصہ ہیں۔ مخصوص اسلوب کے باوجود اس کتاب کی شاعری کو پڑھتے ہوئے یکسانیت کا احساس نہیں ہوتا کیوں کہ جا بجا ایسے الفاظ موجود ہیں جن پر توجہ دیے بغیر آگے نہیں بڑھا جا سکتا۔

حسنین ساحر لفظ گر بھی ہے اور ترکیب ساز بھی ہے اور ساتھ ہی ساتھ عام بول چال میں مستعمل فارسی، انگریزی ہندی اور پنجابی زبانوں کے الفاظ کے استعمال سے بھی گریزاں نہیں ہے۔ اس کے ہاں 'خلقتِ گریہ بار'، حسرتِ دل فگار اور ظلمتِ بے کنار یا پھر ترکِ حجابات کے رنگ، ترسیدہ طلسمات کے رنگ جیسے مترنم مرکبات کا استعمال عام ملتا ہے۔ سبوچۂ لب، کنجِ صیاد، بھنورا شعاریاں، زرد نصیبی، سحر طرازیاں، فراق آثار، مکر و فند، جنوں دان کرنا وغیرہ جیسی تراکیب پڑھنے والے کو مسلسل متوجہ کرنے کا سبب بنتی ہیں۔

حسنین ساحر نے لفظوں کے اشتقاق کے تجربات بھی کیے ہیں۔ اس نے وصال، ہجر اور جلوہ سے بالترتیب وصلت، ہجرت اور جلوت کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ صلیب سے مصلوب کا مفعول استعمال کیا۔ جہاں فہم سے فہمیدہ کی طرز پر سہم سے ''سہمیدہ'' کا لفظ وضع کیا وہیں دزدیدہ (چرایا ہوا) اور نم دیدہ جیسی کم مستعمل تراکیب استعمال کر کے دلیرانہ تجربات کیے ہیں۔

حسنین ساحر نے ہندی اور پنجابی الفاظ بھی استعمال کیے ہیں۔ کھنڈی چھری،

کلوطریوں کا شور (آرے چلنے کی آواز)، کارن، کھلواڑ، زلف کا بندھی، پنچھی، چودھار، حیاتی، لارے وغیرہ جیسے الفاظ کے استعمال سے اپنی غزل کو غزل کے روایتی مصنوعی پن سے دور رکھا۔ فارسی ردیفیں ''می بینم'' اور ''نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن'' استعمال کیں۔

حسنین ساحر کا اسلوب تکلفات سے بالا ہے۔ جس طرح مرزا غالب نے اپنے اسلوب میں ترکِ تکلفات کی طرح ڈالی تھی یا جس طرح جون ایلیا نے بے تکلف غزل کہی ہے اسی طرح حسنین ساحر بھی اپنے اسلوب میں تکلفات کی قید سے چھٹکارا پانے کی کوشش کرتا نظر آتا ہے۔ اردو زبان اور خصوصاً اردو غزل کو لغوی قید کے الزام سے نجات دلانے کے لیے ضروری ہے کہ الفاظ وتراکیب کے استعمال میں جدت لائی جائے، نئی اصطلاحات وضع کی جائیں اور نئے استعارے اور نئی تشبیہات استعمال کی جائیں۔ اصطلاحات و تراکیب اور تشبیہ و استعارہ میں جدت کے لیے عربی اور فارسی تک محدود ہونے کی بجائے اردو میں دخیل دوسری زبانوں سے بھی رجوع کیا جانا چاہیے۔ اس سلسلے میں پاکستانی زبانوں کے وسیع خزانوں سے پھول چن چن کر اُردو کا آنگن مہکایا جاسکتا ہے تاکہ اردو زبان و ادب میں اپنی مٹی کی مہک میں مزید اضافہ ہوجائے۔ حسنین ساحر کے لاشعور میں شاید ایسی ہی تحریکیں جنم لے رہی ہیں۔

حسنین ساحر چند روایتی موضوعات کا اسیر نہیں ہے بلکہ وہ غزل در غزل اور شعر در شعر نیا موضوع چنتا نظر آتا ہے۔ خوبصورت رومانوی اشعار کے علاوہ وہ صوفیوں کی طرح تصوف، انسانی بھائی چارے اور توکل بر خدا کی بات بھی کرتا ہے اور طنز نگاروں کی طرح تفرقہ بازیوں اور زبان درازیوں پر طنز کے تیر بھی برساتا ہے۔ اس نے زمانے کی بے حسی، من کی دنیا اور اندر کے اضطراب کی بات بھی کی اور سیاسی و معاشرتی مسائل کے ساتھ ساتھ فائلوں کی دنیا اور بے روزگاری پر بھی اپنے مشاہداتی تجزیے شعروں میں ڈھالے ہیں۔ حسنین ساحر نے قدیم وجدید اور دیہی و شہری زندگی کے موازنے بھی کیے اور فطرت

سے اپنی محبت کا اظہار بھی کیا ہے۔ اس کی شاعری میں درد اور کسک کا تاثر حاوی ہے مگر وہ نا امید بھی نہیں:

ستم زدوں کی امیدیں ہیں آج بھی زندہ
خزاں رتوں میں بہاروں کی بات کرتے ہیں

وقت میرا ابھی نہیں آیا
دن میں جلتا ہوا دیا ہوں میں

حسنین ساحر کے ہاں تصوف کا وجودی رنگ بھی دیکھا جاسکتا ہے:

عشق دنیا کی کوئی چیز نہیں
عشق عرشی ہے آسمانی ہے

تمھاری جلوہ نمائیاں ہیں جہان بھر میں
مری بصارت کا امتحاں ہے عجب سماں ہے

وہ خدا کو اپنی ذات کے اندر محسوس کرتا ہے اور اللہ کی تلاش میں ادھر اُدھر جھانکنے کو بےسود کہتا ہے:

کہاں تلاشتا پھرتا ہوں اس کو میں ساحر
بسا ہوا ہے وہ کہیں میری اپنی ذات میں

وہ اللہ سے محبت کرتا ہے اور اسے یہ بھی یقین ہے کہ اللہ ہی وہ واحد ہستی ہے جو اس سے محبت رکھتی ہے باقی سب محبت جتانے والے جھوٹی محبت جتاتے ہیں:

کوئی بھی منتظر نہیں میرا
اک اسی کو اب انتظار ہے بس

وہ اللہ کی رضا پر راضی ہے۔ وہ اللہ کی عطاؤں کو اللہ کی نعمت کہتا ہے جبکہ آرزوؤں کے پورے نہ ہونے میں اسے اللہ کی حکمت نظر آتی ہے:

میں انساں ہوں میرے بس میں فقط خواہش فقط کوشش
عجب اس کی عطا ساحر کبھی حکمت کبھی نعمت

ہر انسان اپنی ذات کے اندر ایک سمندر ہے۔ اس وسیع سمندر کے بعض گوشے انسان خود بھی نہیں دیکھ پاتا۔ بعض گوشے نظر آتے ہیں مگر پھر نظر سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ اپنے اندر کی وسعتوں کی خاک چھاننے کو عشق کی منازل میں فنا فی الذات کے نام سے ابتدائی منزل کہا جاتا ہے۔ حسنین ساحر نے اس سلسلے میں چند خوب صورت اشعار کہے ہیں۔ ملاحظہ ہوں:

مجھ پہ منصوریوں کا سایہ ہے
میں نے خود میں خودی کو دیکھ لیا
میرا داخل کوئی زنداں ہے شاید
مجھے خود سے نکلنا پڑ گیا ہے

حسنین ساحر اپنی آنکھ کے لیے آئینے کا استعارہ استعمال کرتا ہے۔ وہ اپنی ذات کے بحرِ بیکراں کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے لیکن آنکھ اسے حقائق سے روشناس کرانے کی بجائے صرف وہی دکھاتی ہے جسے وہ پسند کرتا ہے۔ آئینے کی اس ہم نوائی کے بارے میں کہا کہ

آئینے کے سوا زمانے میں
ہم سخن ہم نوا نہیں دیکھا

وہ اپنی بینائیوں کی استطاعت کو محدود سمجھتا ہے اور اسے ادراک ہے کہ وہ اپنی ذات کے اندر کے سارے گوشے نہیں دیکھ پا رہا:

جو مجھے میرے رو برو کر دے
کوئی بھی آئینہ نہیں دیکھا

اُس نے اپنی ذات کے اندر کے دشت کے بارے میں اپنے ابہام کا بھی اظہار

کیا ہے کیوں کہ اسے جو کچھ نظر آتا ہے وہ قریب جانے پر سراب ثابت ہوتا ہے:

حقیقتیں بھی ہیں ساری مبہم وہ خواب سا ہے سراب سا ہے
وجود اس کا کہاں کہاں ہے نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن

حسنین ساحر ایک انسان دوست شاعر ہے اور باہمی محبتوں کے چراغ جلانا چاہتا ہے۔ وہ نفرتوں بھرے ماحول سے اکتایا ہوا ہے اور محبتوں بھرے معاشرے کی ترغیب دیتا ہے:

گرا دو سب فصیلیں نفرتوں کی
صلیبیں کاٹ دو سب فاصلوں کی
تعفن ذہن و دل تک آن پہنچا
چلو باتیں کریں ہم خوشبوؤں کی

حسنین ساحر نے نفرتوں کے اسباب کا مشاہدہ کیا اور ایک دلچسپ پہلو سامنے رکھا۔ اس نے مادی دنیا میں نفرتوں کے دو اسباب بتائے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ان نفرتوں کے پیچھے یا تو محرومیاں ہوتی ہیں یا پھر وسائل کی کثرت پر قبضہ معاشرے میں نفرتیں پھیلاتا ہے:

زمانہ اب نہیں بدلا ازل سے تفرقوں میں ہے
عجب دشمن ہیں رشتوں کے کبھی غربت کبھی دولت

حسنین ساحر نے رویّوں کے مصنوعی پن کے مشاہدات بھی کیے ہیں۔ انھوں نے کاغذی پھولوں کی طرح کاغذی چہروں کی بات کی ہے۔ ان چہروں کی بات کی ہے جن کے پیچھے کئی چہرے پوشیدہ ہیں۔ دفتری دنیا کی بے تاثر کیفیات کو قریب سے دیکھا ہے۔ اس نے دیکھا ہے کہ آج کا انسان فائلوں اور کاغذوں کے انبار تلے دبتے جا رہا ہے اور بے حسی کے نئے رجحانات جنم لے رہے ہیں:

فائلوں میں گھرا ہوا ہوں میں
ایک دفتر بنا ہوا ہوں میں
چہرے پر میں کاغذ پہنے پھرتا ہوں
زندہ ہوں پر بے حس ہو کر جیتا ہوں

دفتری دنیا، کاغذوں کی دنیا اور کاغذوں کی اہمیت نے انسانی جذبات و احساسات کو کچلنا اور مٹانا شروع کر دیا ہے۔ وہ انسانوں کا معاشرہ روبوٹوں کی طرح بے حس ہوتا چلا جا رہا ہے۔ ہوسکتا ہے مستقبل کے یہ روبوٹ آج کے انسان سے زیادہ سوچ سمجھ کے حامل ہو جائیں مگر یہ جذبات سے عاری ہی ہوں گے۔ بات کرتے ہوئے چہرے کے تاثرات اور آنکھوں میں پیدا ہونے والی کیفیات صرف انسان کا خاصہ ہے:

آج دفتر میں چھوڑ آیا ہوں
دل کی فائل میں فکر و غم تھے جو
دفتری دہر کی پہنائی میں اُلجھا ایسا
پڑ گئی یاد تری دل سے بھلانی ساحرؔ

حسنین ساحر زندہ جذبوں کا متلاشی ہے۔ انسانوں پر جبر روا رکھنے والے طبقات کو کچلے گئے انسانی جذبات کا ادراک نہیں ہوتا۔ وہ انسانوں کو خس وخاشاک کی طرح کچلتے چلے جاتے ہیں۔ یہاں حسنین ساحر جنگل اور درختوں کو استعارہ بنا کر کچھ کر گزرنے کی ترغیب دے رہے ہیں:

عجیب لوگ ہیں خاروں کی بات کرتے ہیں
شجر کے سامنے آروں کی بات کرتے ہیں
جوں ہی شور کلوطریوں کا اُٹھا
درختوں نے جنگل نیا چن لیا

حسنین ساحر انسانیت کا حامی اور انسان دشمن طبقات کا مخالف ہے۔ انسانیت سوزی پر اس کا دل اداس ہو جاتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے واقعات سے وہ شدید متاثر ہوتا نظر آتا ہے۔ چوں کہ یہی چھوٹے چھوٹے واقعات و سانحات مجموعی طور پر معاشرے کا چہرہ بنتے ہیں۔ اس لیے بظاہر چھوٹے نظر آنے والے واقعات حسنین ساحر کی نظر میں چھوٹے نہیں ہیں:

آج پھر انسانیت کا خوں ہوا ہے شہر میں
آج پھر میں چیختے ان منظروں سے لڑ پڑا
عصمتوں اور رِداؤں سے یوں کھلواڑ ہوا
میری بستی سے خداؤں نے بھی ہجرت کر لی

حسنین ساحر انسانیت سوزی پر خاموش رہنے والے اہلِ دانش سے بھی شکوہ کناں ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ ظلم کے خلاف پورا معاشرہ آواز اٹھائے کیوں کہ ظلم کے خلاف آواز نہ اٹھانا ظلم کی حمایت کے مترادف ہے۔ مصلحتوں کے شکار اہلِ دانش کا اپنے احساسات اور جذبات کو زندہ کر کے آواز بلند کرنا ضروری ہے:

تماشائے اذیت دیکھتا ہوں
میرا احساس مرتا جا رہا ہے
کس نے کتنا درد سہا ہے رب جانے
میں تو بس اخبار میں خبریں پڑھتا ہوں

حسنین ساحر جابر حکمرانوں کے سامنے کلمۂ حق ادا کرنے کو جہاد سمجھتا ہے۔ طاقتور کا حاشیہ بردار بننا اور درباری پن اسے قبول نہیں۔ وہ محض تماشا دیکھنے کا قائل نہیں ہے۔ مطلب پرستی کے لیے اپنے لب سی لینے کی بجائے وہ کھلے لفظوں میں اپنے نظریات پیش کرتا ہے:

کیوں فقط کشتی امیرِ شہر کی واپس بچی
کیوں فقط میں ہی مچلتے ساحلوں سے لڑ پڑا
میں نہ کہتا تھا کہ وہ قابل نہیں ہے تخت کے
میں ہوں پاگل شہر کے کن جاہلوں سے لڑ پڑا

حسنین ساحر خوشامد پسند نہیں کرتا۔ وہ خوشامد کر کے اپنا راستہ بنانے کی بجائے ناکامی قبول کرنے کو تیار رہے۔ وہ خوشامد کر کے حاصل ہونے والی سربلندیوں کا مصنوعی تاج سر پر نہیں سجا سکتا۔ وہ سچائیوں کو ہی حقیقی سربلندی سمجھتا ہے:

ہم بھی ساحر جی! سراہے جاتے ایوانوں میں آج
اپنی فطرت پر مگر سچائیوں کا بوجھ ہے

......☆......

[ماہنامہ ''فن زاد''، سرگودھا۔ جولائی 2019ء]

فصیلِ جاں از حسنین ساحر

محمد فاروق فضل حیدر

''فصیلِ جاں'' مجموعی طور پر حسنین ساحر کی تیسری جبکہ تخلیقی اعتبار سے پہلی تصنیف ہے۔قبل ازیں وہ تحقیق کے شعبے میں صاحبانِ نقد ونظر سے نہ صرف داد وصول کر چکے ہیں بلکہ کہنہ مشق محقق کے طور پر اپنے آپ کو منوا بھی چکے ہیں۔زیرِ بحث کتاب ''فصیلِ جاں'' میں بھی حسنین ساحر نے نہایت دیدہ دلیری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ''بھوبھوتی'' کے قول کو نقل کیا ہے کہ ''جو لوگ ہمارے کام کو پسند نہیں کرتے انھیں سمجھ لینا چاہیے کہ ہم نے یہ کام ان کے لیے کیا ہی نہیں۔کوئی ایسا شخص بھی ہوگا جو ہمارا ہم خیال ہوگا اور وہ ہمارے اس کام کو پسند کرے گا۔اگر کوئی ایسا شخص آج نہیں تو کل پیدا ہو جائے گا۔دنیا وسیع ہے اور زمانہ کبھی ختم ہونے والا نہیں''۔ایسی بے باکی کا مظاہرہ متقدمین میں اکثر ملتا ہے جیسا کہ شادؔ عظیم آبادی نے کہا تھا:

تیرے کلام کا جن کو مزا نہیں اے شادؔ
یقین مان کہ دل ہی نہیں گداز ان کے

''فصیلِ جاں'' میں بھوبھوتی کے مذکورہ بالا قول کے علاوہ کسی قسم کا دیباچہ یا تقریظ شامل نہیں کی گئی بلکہ پُراعتماد تخلیق کار کی طرح براہِ راست کتاب کا آغاز غزلیہ حمد سے کیا گیا ہے۔اس کتاب میں 105 غزلیات شامل کی گئی ہیں اور اکثر غزلیات میں تصوف کا رنگ بھی جھلکتا ہے:

اک خدا ہی کا آسرا ہے اب
اس کے بن دوسرا نہیں دیکھا

ساری دنیا میں ڈھونڈ آیا ہوں
عشق سا رہنما نہیں دیکھا

غزل ہماری تہذیبی و جذباتی زندگی میں شریک ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی ترجمان بھی ہے۔غزل گوشعرانے گل وبلبل، ساغر و میناا ور دار ورسن کے رمزیہ اشاروں سے زندگی کے اتار چڑھاؤ کو اس طرح پیش کیا ہے کہ غزل زندگی کی تمام تر کیفیتوں سے مملو و لبریز ہوگئی ہے۔ غزل نے ہمارے سیاسی و سماجی ماحول کی تصویریں پیش کی ہیں، سامراجیت کے خلاف علم بلند کیا ہے، آزادی کے نغمے گائے ہیں اور تاریکی میں ہمیشہ روشنی کی بشارت دی ہے۔ غزل کی اسی وسعت اور ہمہ گیری میں اس کی مقبولیت کا راز پنہاں ہے۔اساتذۂ غزل نے ہزاروں ایسے اشعار دیے ہیں جنھیں برمحل پڑھ کر کسی بھی مجلس میں، کسی بھی محفل میں، کسی بھی جلسے میں جان ڈالی جاسکتی ہے۔فکری و معنوی اعتبار سے حسنین ساحر کے کلام میں گہرائی، گیرائی اور وسعت جابہ جانظر آتی ہے۔حمد یہ غزل میں لکھتے ہیں:

تمھاری جلوہ نمائیاں ہیں جہان بھر میں
مِری بصارت کا امتحاں ہے، عجب سماں ہے

اس جہانِ رنگ و بُو کی تخلیق اس چیز کی متقاضی ہے کہ اپنے فہم، شعور اور بصیرت سے اُس کی مقصدیت اور روح تک رسائی حاصل کی جائے۔ خالقِ کائنات نے اپنی جلوہ نمائیاں چہار سو بکھیر دی ہیں اب دیکھنے والے کی بصیرت پہ منحصر ہے کہ وہ کیا نتائج اخذ کرتا ہے۔اسی حمد یہ غزل میں حسنین ساحر نے اپنی فنائیت و بے بسی اور خدائے بزرگ و برتر کی ہستئ جاودانی اور علام الغیوبی کی حقیقت کو بہت خوبصورت الفاظ میں منتشرح کرتے ہوئے عشق کو حصولِ منزل کے لیے رہبر و رہنما بنایا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کو خلیفۃ الارض بنایا گیا تھا، اسی وجہ سے انھیں کسی نہ کسی پاداش میں زمین پر بھجوایا جانا تھا، سو ایسا ہی ہوا۔لیکن جب حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ

کے حضور معافی مانگی تو اللہ کریم نے نہ صرف انھیں معاف فرمایا بلکہ نبوت سے سرفراز بھی فرمایا اور یہ سلسلہ چلتا چلتا نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ تک آ پہنچا۔لوگ ایمان لا کر اسلام کی آغوش میں آنا شروع ہوئے اور آہستہ آہستہ اسلام پوری دنیا میں نہ صرف پھیل گیا بلکہ تاریخی عروج نصیب ہوا،لیکن لوگوں کی اپنی خرمستیوں ،عیاشیوں اور غداریوں کے سبب ذلت ورسوائی مقدر بنی، حاکم محکوم ہو گئے اور مغلوب غالب۔اقبالؒ نے اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا:

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمیں پہ آسماں نے ہم کو دے مارا
تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

اپنی غلطیوں کے ازالے کے لیے اعترافِ جرم لازم ہے۔احساسِ زیاں سے ہی متاع کارواں کی واپسی ممکن ہے۔حسنین ساحر بھی اپنے زوال کی وجوہات کو تسلیم کرتے ہوئے اللہ کے حضور دست بہ دعا ہیں کہ

مجھے مصلوب ہونا تھا، ہوا ہوں
اب آزادی دوبارہ ڈھونڈتا ہوں

انسان کو جب عملی یقین ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے عسرت و یسرت، آسودگی و فرسودگی،عروج وزوال،غریبی وتونگری اور عزت و ذلت ہماری آزمائش کے لیے بنائے ہیں،تو پھر انسان راضی برضا ہو کر مطمئن ہو جاتا ہے اور تسلیم کر لیتا ہے کہ جو بھی ہوا بہتری کے لیے ہوا اور جو بھی ہونا ہے بہتری کے لیے ہونا ہے۔حسنین ساحر نے اگلی پوری غزل میں تقدیر کی بابت بہت خوبصورت توضیح وتشریح کی ہے۔ یوتیہ من یشأ کی حقیقت کو مصلحتِ خداوندی قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں:

تُو جس کو جو نوازے، سب تمھارے ہاتھ ہے مولا!
عجب ہے مصلحت تیری، کبھی عزّت، کبھی ذلّت
اگر تصویر میں خالق کو ہو مقصود تبدیلی
عجب اسمِ تغیر ہے، کبھی فطرت، کبھی قدرت

زمانے کی بے اعتنائی اور ناگفتہ بہ حالات کی عکاسی، کھوکھلے نعروں، انسانی مجبوریوں پہ شور وغوغا ''میاں فضیحت'' کی بے عملیوں کو پیش کرتے ہوئے مدعا بیان کرتے ہیں کہ شاید اس آگہی وحقیقت سے کسی کو حق نصیب ہو:

جہاں بھی رکھتا ہوں پاؤں زمیں مچلتی ہے
عذاب ختم ہو مجھ کو مِرا مکان ملے
مجھے کریدو، اچھالو، کہ اب زمانے کو
کوئی کہانی ملے کوئی داستان ملے
انہیں تو آتی ہیں کرنی مذمتیں وہ کریں
عمل ملے نہ ملے کچھ نیا بیان ملے
میں اس امید پہ خامہ سرا ہوا ساحؔر
کے بے زبان کو شاید کوئی زبان ملے

حسنین ساحر نے جہاں سماج، اخلاقیات، نفسیات اور زندگی کے دوسرے شعبہ ہائے زندگی پر روشنی ڈالی ہے وہاں کچھ نئے تجربے بھی کیے ہیں۔ درج ذیل غزل کو سہ ماہی رسالہ ''ہم رکاب'' (اپریل۔جون ۲۰۱۸ء) نے 'غزل جدید ریختہ' کے عنوان سے شائع کیا ہے جو حسنین ساحر کے لیے واقعی ایک اعزاز کی بات ہے:

شورش و انتشار می بینم
یورش و خلفشار می بینم

نیم شب، کروٹیں، تری یادیں
خواب گہ زار زار می بینم
رہبر و رہنما ہیں آسودہ
خلقتِ گریہ بار می بینم

مجموعی طور پر حسنین ساحر کی پہلی تخلیقی کاوش "فصیلِ جاں" ہر اعتبار سے قابلِ صد تحسین و افتخار ہے۔ مضامین و جامعیت کے لحاظ سے بھی کہیں تشنگی محسوس نہیں ہوتی......اگر افسوس کا ذکر ہے تو ساتھ ہی نویدِ امید بھی ہے......ہجر وفراق ہے تو تیقنِ وصل بھی ہے۔ حالات دگرگوں ہیں تو بہتری کی توقع بھی۔

دلی دعا ہے کہ اللہ رب العزت حسنین ساحر کی اس کاوش کو شہرتِ دوام بخشے اور مزید کام کرنے کی توفیق ارزاں فرمائے۔ آمین

......☆......

[روزنامہ "جذبہ" جہلم، 2 جنوری 2019ء]

حسنین ساحر کی ’’فصیلِ جاں‘‘

ڈاکٹر محمد طاہر بوستان خیل

میرے ادبی دوستوں کا حلقہ محض سوات تک محدود نہیں۔ ایبٹ آباد شہر میں جناب قمر زمان اور اسلام آباد میں انتہائی مخلص دوست محمد ثقلین ضیغم اور ان کے بھائی حسنین ساحر کے ساتھ ادبی پڑاؤ کے علاوہ دیرینہ اور پائیدار تعلق قائم ہے۔ 8 فروری 2019ء کو ایبٹ آباد میں قمر زمان صاحب کے ہاں ٹھہرنے کا اتفاق ہوا۔ مہمان نوازی میں حد سے زیادہ تکلف کے علاوہ انھوں نے مجھے حسنین ساحر کی کتاب ’’فصیلِ جاں‘‘ اور محمد ثقلین ضیغم کی کتاب ’’ثمینہ راجہ: حیات اور ادبی خدمات‘‘ سے بھی نوازا۔ ان سے رخصت لے کر فیصل آباد میں ایک ہفتہ گزارنے کے بعد مجھے اسلام آباد میں مقیم مذکورہ دونوں بھائیوں کے گھر قیام کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔ دونوں کی بے تکلفی کو دیکھ کر میں بہت متاثر ہوا۔ اس ملاقات کے دوران میں انھوں نے گھر میں قائم لائبریری ’’تقدیسِ ادب‘‘ کی سیر بھی کرائی، جہاں مجھے دونوں کتابیں دوبارہ عنایت کی گئیں۔ میں نے خوشی خوشی قبول کیں اس خیال سے کہ سوات جا کر تصدیق اقبال بابو کی نذر کروں گا اور ایسا ہی ہوا۔ میں نے ثقلین ضیغم اور حسنین ساحر دونوں پر واضح کیا یہ کتابیں قمر زمان صاحب نے ایبٹ آباد میں مجھے عنایت کی ہیں، لیکن آپ سے یہ کتابیں سوات کے تصدیق اقبال بابو کے لیے لے چکا ہوں۔ اس پر دونوں بہت خوش ہوئے اور کہا کہ دوست ہو تو آپ جیسا۔ ثقلین ضیغم کی کتاب جو اصل میں ان کا ایم فل کا مقالہ ہے، پر آئندہ کالم میں بحث ہوگی۔ فی الحال، حسنین ساحر اور ان کی کتاب ’’فصیلِ جاں‘‘ کی طرف آتا ہوں۔

حسنین ساحر 12 دسمبر 1982ء کو اسلام آباد میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ایم اے

اُردو، ایم اے پنجابی اور ایم ایس سی ماس کمیونی کیشن کرنے کے بعد علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی سے ''پاکستانی زبانیں و ادب'' میں ایم فل کیا۔ اس وقت پی ایچ ڈی (پاکستانی زبانیں و ادب) کے ریسرچ اسکالر ہیں۔ آپ مری میں شعبۂ درس و تدریس سے وابستہ ہیں۔ آپ کی دیگر کتب میں ''سی حرفیاں میاں سید محمد چشتی: تحقیق وتدوین'' سی حرفیاں میاں محمد شفیع اختر ڈھانگروی: تحقیق و تدوین اور پریم دوارے مست نظارے (کافیاں شادفاروقی: تحقیق وتدوین) شامل ہیں۔ ادارہ بزمِ تخلیق و تحقیق، اسلام آباد کے نائب صدر بھی ہیں۔ حسنین ساحر کی ''فصیلِ جاں'' 105 غزلوں اور 192 صفحات پر مشتمل ہے۔ سرورق انتہائی دیدہ زیب ہے۔ اس خوب صورت کتاب کے چھاپنے کا سہرا ''بزمِ تخلیق و تحقیق اسلام آباد پاکستان'' کے سر ہے۔

حسنین ساحر ہنس مکھ اور خوش مزاج انسان ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان کی غزلیں ہر لحاظ سے غنی ہیں۔ ایک طرف انھیں محبوب کا غم ستاتا ہے تو دوسری طرف زمانے کے ہاتھوں مجبور ہیں۔ ساحر ہمیشہ کے لیے زنداں میں رہے لیکن زبان سے کچھ نہیں کہا بس چپ چاپ مظالم سہے:

ہم گُہر اشکوں کے آنکھوں میں پروتے رہ گئے
بیٹھ کر حالات کے زنداں میں روتے رہ گئے

ساحر اپنے محبوب سے محبت کا برملا اظہار کرتے ہیں۔ چوں کہ انھیں چالاکی نہیں آتی اور نہ اپنے محبوب سے جھوٹ بولنا ہی چاہتے ہیں، اس لیے محبوب کے دو بدو محبت کا اظہار کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان میں ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ دیگر لوگوں کی طرح پیٹھ پیچھے باتیں نہیں کرتے، بل کہ جن میں غلطی دیکھتے ہیں ان کی منہ پر کہتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

اس کی آرزو کی ہے، کیا غلط کیا میں نے

بات دُو بہ دُو کی ہے، کیا غلط کیا میں نے

ساحر انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں کی خوب ترجمانی کرتے ہیں۔ آپ کی غزلیں قاری کے لیے ایسا ماحول پیدا کرتی ہیں کہ اسے جلد ہی گرفت میں لے لیتی ہیں۔ جوان طبقے میں آپ ایسے شاعر ہیں جنھوں نے شعر کو نیا پیراہن عطا کیا۔ ان کے اشعار روحانی، معاشرتی، اصلاحی اور صوفیانہ رنگ کے علاوہ عشقیہ رنگ سے بھی مزین ہیں۔ وہ آج کے نفسیاتی الجھنوں کے شکار انسان میں خود کو بھی شمار کرتے ہوئے کہتے ہیں:

لوگ حد سے گزر گئے ساحرؔ
سب کے کردار مر گئے ساحرؔ
آج مدت کے بعد لوٹا ہوں
راستے مجھ سے ڈر گئے ساحرؔ
تتلیاں پھول اور مرا بچپن
کچھ تو بولو کدھر گئے ساحرؔ

ساحر اپنی شاعری میں ہنرمندی کا جوہر پیدا کر کے ذاتی تخلیقی شناخت پر بھرپور توجہ دیتے ہیں۔ اس کٹھن راہ میں وہ مکمل طور پر کامیاب ہیں۔ اپنے محبوب سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ میں نے تم سے محبت کی ہے۔ اس محبت کے لیے مجھے لوگ کچھ بھی کہیں، جتنے بھی وہ بدگماں ہوں ہونے دیں، لیکن تمھاری محبت سے منھ نہیں موڑیں گے۔ کہتے ہیں:

عشق مسلک ہے میں نے اپنایا
جانے کتنے ہی بدگماں ہوں گے
یہ تو آغاز ہے محبت کا
آگے کتنے ہی امتحان ہوں گے

ساحر عہدِ شباب میں جہاں زرق برق مفاہیم اور اصطلاحت میں سرگرم رہتے

ہیں، وہاں آپ کو مذہب کی قوت بھی نصیب ہوئی۔ آپ نہ صرف دنیاوی اعتبار سے اشعار لڑی میں پروتے ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں بھی فن کا کمال مظاہرہ کرتے ہیں:

اس کو جلوہ نما نہیں دیکھا
کیا بتاؤں کہ کیا نہیں دیکھا
اک خدا ہی کا آسرا ہے اب
اس کے بن دوسرا نہیں دیکھا

جب معاشرے میں عزت کے تعین کا معیار دولت رہ جائے اور جاہ پرستی معمول بن جائے تو ایسے میں عزت وذلت کے بیچ حدِ فاصل معدوم ہوجاتی ہے۔ ساحرؔ بھی اس کشمکش میں مبتلا ہیں اور لوگوں کے ایسے رویے سے دل برداشتہ ہوکر کہتے ہیں:

سبھی نے ہے زَر کو خدا چن لیا
یہ مطلب پرستوں نے کیا چن لیا؟

ساحر کی خوش کلامی کے کیا کہنے! بولتے ہوئے ان کے منھ سے پھول جھڑتے ہیں۔ ان کے ساتھ گزرنے والا طویل وقت بھی قلیل محسوس ہوتا ہے۔ آپ اپنے ہر ملاقاتی کی عزت وتکریم کرتے ہیں۔ قحط الرجال کے موجودہ دور میں بےحسی اور خودغرضی کا عفریت معاشرتی زندگی کے اُفق پر منڈلا رہا ہے۔ اس پرآشوب دور میں بھی ساحر خودداری اور عزتِ نفس کا بھرم رکھے ہوئے ہیں۔ وہ سیدھے انسان ہیں۔ مبالغہ آرائی انھیں پسند نہیں۔ اسی لیے تو اپنے محبوب کو صاف الفاظ میں کہتے ہیں:

جس طرح آنکھ کا رشتہ ہے جڑا دید کے ساتھ
تیرے ہونے کا تعلق ہے مِری عید کے ساتھ
جو بھی کہنا ہے کہو رام کہانی چھوڑو

بات اچھی نہیں لگتی مجھے تمہید کے ساتھ

ساحر نے دوستوں کو ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ عجز و انکسار آپ کا امتیازی وصف ہے۔ آپ ستائش اور صلے کی تمنا سے بے نیاز ہمیشہ گوشہ نشین ادیب کی حیثیت سے رہتے ہیں۔ انہماک سے پرورشِ لوح و قلم میں مصروف ہیں۔ ان کے ساتھ گزرنے والی مہ و سال کی یادوں کے حوالے سے عرض کروں کہ انھوں نے ساری زندگی شمع کی طرح گزاری۔ ادب اور فنونِ لطیفہ سے ان کے قلبی لگاؤ اور والہانہ وابستگی کے اعجاز سے وہ ادیبوں اور شعرا میں مقبول ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ حسنین ساحر کو نیک کام کرنے کی توفیق دے اور انھیں ادب کی ترقی کے لیے تر و تازہ رکھے۔

ان کی کتاب کا آخری شعر ملاحظہ ہو:

اس جنگل سے اُس جنگل کو چلتے ہیں
چل اُٹھ ساحرؔ ! کر تیاری صبح سویرے

......☆......

[کالم: ''نوائے سروش''۔ روزنامہ ''آزادی'' سوات، 14 جون 2019ء]

جاں کا روگ اور حسنین ساحر کی فصیل جاں

ڈاکٹر شکیل کاسیروی

حسنین ساحر کی شعری کاوش ''فصیل جاں'' مجھے ایک سال پہلے مل چکی تھی۔اس کا بالاستعیاب مطالعہ بھی کر لیا تھا لیکن کوئی نہ کوئی بات آڑے آ جاتی، جس کے باعث اس پر کچھ لکھ نہ سکا۔آج رات کے پچھلے پہر مری کے ایک دُورافتادہ گاؤں کے سرد ماحول میں نیند نہ آنے کے باعث، ساتھ لائی کتب میں موجود ''فصیلِ جاں'' کی باری آ ہی گئی۔آغاز میں اپنے دستخط کے ساتھ راقم کے لیے ''مشفق، مہربان، ہمدرد، ہم راز'' جیسے الفاظ لکھ کر دہن مہر بلب کر دیا۔دوسرا صفحہ کھولا تو حسنین ساحر کے شعر نے جکڑ لیا:

پیرِ عشق کا جب سے دیکھا مَن کُٹیا میں عکس
ساحؔر میری ''فصیلِ جاں'' ہے تب سے محوِ رقص

یہ کوئی تنقیدی مضمون نہیں ہے۔بلکہ میں نے حسنین ساحر کی شخصیت کو ان کے اشعار کی روشنی میں پرکھنے کی کوشش کی ہے۔حسنین ساحر نے اپنی غزلیہ تصنیف کو عشق و مستی کی مَن کٹیا قرار دیا ہے جو واقعتاً ایسی ہی ہے۔انتساب بڑے بھائی کے نام جن کی علم دوستی اور ادب پروری نے حسنین کی صلاحیتوں کو مہمیز کیا ہے۔میری دونوں بھائیوں کے ساتھ گٹ کے یاداللہ ہے۔ثقلین ضیغم نے ہونہار بروا کے یعنی حسنین ساحر کے چکنے چکنے پات بچپن ہی میں دیکھ لیے تھے۔جب حسنین نے اپنا پہلا شعر محض چھ برس کی عمر میں کہا تھا۔جس کا مفہوم اس شعر سے ملتا جلتا ہے:

دل کے پھپھولے جل اُٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

حسنین کا پہلا شعر ملاحظہ ہو جو محض چھ برس کی عمر میں کہا گیا:

بہت کچھ کمایا تھا اِک آدمی نے
مگر اس کا گھر آگ سے جل گیا

ثقلین ضیغم نے نہ صرف یہ شعر اپنی ڈائری میں نوٹ کر رکھا ہے بلکہ بڑے فخر کے ساتھ یہ شعر اکثر جگہوں پر سناتے ہیں۔ ثقلین ضیغم کی کتاب ''شبِ سُرخاب'' 2013ء میں شائع ہوئی تھی۔ اُس وقت تک حسنین ساحر کا تعارف صرف زبان و ادب کے میدان میں تحقیق تک ہی محدود تھا۔ بعد ازاں جب بزمِ تخلیق و تحقیق متحرک ہوئی تو حسنین ساحر کی شاعرانہ صلاحیتوں کا ادراک ہوا اور سب کو معلوم ہوا کہ موصوف ٹھیک ٹھاک شاعر بھی ہیں۔

حسنین ساحر نے ''بھوبھوتی'' کی تحریر سے کتاب کا آغاز کیا ہے۔ تحریر ملاحظہ ہو:

''جو لوگ ہمارے کام کو پسند نہیں کرتے اُنھیں سمجھ لینا چاہیے کہ ہم نے یہ کام اُن کے لیے کیا ہی نہیں۔ کوئی ایسا شخص بھی ہو گا جو ہمارا ہم خیال ہوگا اور وہ ہمارے اس کام کو پسند کرے گا۔ اگر کوئی ایسا شخص آج نہیں تو کل پیدا ہو جائے گا۔ دنیا وسیع ہے اور زمانہ کبھی ختم ہونے والا نہیں''۔

حسنین ساحر نے اپنی کتاب کا دیباچہ یا فلیپ لکھوانے کا کوئی تردد نہیں کیا۔ بلکہ چند صفحات بچا کر اپنی تخلیقات کو جگہ دی جو بہت دل گردے کا کام ہے۔ 105 غزلیں اُس نے اپنی اس فصیلِ جاں کا حصہ بنائی ہیں۔ دیباچہ یا فلیپ نہ لکھوانے پر انھیں چند سینئر شعرا کی تنقید بھی سہنی پڑی لیکن وہ اپنی سی روش کو بغیر کسی کی پروا کیے جاری رکھے ہوئے ہیں۔

حسنین ساحر نے پنجابی صوفیا کی شاعری کی تحقیق و تدوین کے حوالے سے بہت کام کیا ہے اور اس کام کو اپنا مقصد بنا کر جاری رکھا ہوا ہے۔ صوفیانہ فکر کے عمیق مطالعے نے انھیں بہت متاثر کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں بھی اکثر مقامات پر صوفی فکر غالب نظر آتی

ہے۔ان کے چند اشعار دیکھیں:

میں چار ہی دن کا مختصر سا ہوں کھیل لیکن
تمھاری ہستی تو جاوداں ہے، عجب سماں ہے
کسی سے نفرت کروں تو کیسے، مجال کیسی
ہر ایک چہرے میں تو نہاں ہے، عجب سماں ہے

بے شک اس کائنات کی سبھی موجودات فانی ہیں اور ان سب کا خالق و مالک، اللہ لافانی ہے۔حسنین نے اپنے اشعار میں انھی خیالات کا اظہار کرتے ہوئے انسانوں سے محبت کو اللہ کی تخلیق کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔وجودی فلسفہ کے مطابق ہر چہرے میں ذاتِ احد کا عکس نظر آتا ہے۔کچھ ایسا ہی اظہار حسنین کے ہاں بھی ملتا ہے۔حسنین نے کتاب دیتے ہوئے اپنے دستخط کے ساتھ مجھے اپنا ہمراز لکھا ہے۔اس میں کوئی شبہ نہیں۔اتنا تو میں بھی جان گیا ہوں کہ حسنین انسانوں سے نفرت کر ہی نہیں سکتا۔اللہ نے نفرت والی App اس کے اندر رکھی ہی نہیں۔وہ تو اپنے بدخواہوں سے بھی محبت اور درگزر کا معاملہ کرتا ہے اور میں اس کا چشم دید و قلب گواہ ہوں۔حسنین تھوڑی دیر کے لیے نالاں یا دل گرفتہ ضرور ہوتا ہے لیکن پھر سب بھول جاتا ہے۔جس کا پُرامید اظہار اس نے اپنے اشعار میں بھی کیا ہے۔وہ دعاؤں پر بہت اعتقاد رکھتا ہے۔اسے جب حیات کے بھنور سے نکلنے کی کوئی سبیل نظر نہیں آتی تو پھر اپنے ربّ سے رجوع کرنے پر ہی اکتفا کرتا ہے۔دعاؤں کی بکل مار لیتا ہے۔اسی لیے وہ کہتا ہے:

دعاؤں کا سہارا ڈھونڈتا ہوں
بھنور میں ہوں کنارا ڈھونڈتا ہوں

کوئی بھی تخلیق کار ہے، چاہے شاعر ہے، ادیب ہے، مصور ہے یا سنگ تراش ہے، اس کی تخلیق میں اس کی شخصیت کا پرتو ضرور ہوتا ہے۔حالات و واقعات، سرشت،

عادات، ہر بات جھلکتی ہے۔ یوں کہہ سکتے ہیں کہ تخلیق کار کی تخلیق سے اس کی فطرت عیاں ہوتی ہے۔ ہر شخصیت کی ہمہ جہت پرتیں ہوتی ہیں۔ اور ان کے فن پارے، ان کا منہ بولتا ثبوت ہوتے ہیں۔ حسنین ساحر کی شاعری کی قوسِ قزح ہمہ جہت ہے۔ اس میں کہیں انقلاب کی باتیں ہیں تو کہیں محبوب پر مر مٹنے کی باتیں، کہیں خود کو حاوی دکھاتا ہے تو کہیں بچھ جاتا ہے۔ کہیں سیاسی حالات کا نوحہ ہے تو کہیں روحانیت کا پرچار۔ کہیں بے اعتنائی ہے تو کہیں بے چارگی۔ ان کا ایک شعر ملاحظہ ہو:

اک خدا ہی کا آسرا ہے اب
اس کے بن دوسرا نہیں دیکھا

زندگی اور دنیا کی تیز رفتار ترقی کو دیکھتے ہوئے یہ کہنے پر مجبور ہوتے ہیں:

گھر فقط رہ گئے اب رات بسر کرنے کو
اب چلن شہروں کا تبدیل ہوا جاتا ہے

ان کا یہ شعر کمال کا ہے جس میں انھوں نے پردے کی اہمیت، حیا کے تقدس اور معاشرے میں غیرت کا استعارہ چادر / دوپٹے کا ذکر کیا بھلے انداز میں کیا ہے۔ انھوں نے اس شعر سے بھرے بازار میں رقصِ ابلیسی کا پردہ چاک کیا ہے:

حرفِ غیرت پہ مر گئی غیرت
جب بھی پنڈال میں رِدا ناچی

حسنین ساحر کے اندر حساسیت کا عنصر بدرجہ اتم موجود ہے۔ بظاہر اس کے اشعار معاشرے کا عکس ہوتے ہیں لیکن اندر خانے اپنے اوپر بیتے جانے والے مختلف جور وستم کی نشاندہی کرتے ہیں۔ جیسے:

لوگوں کی زہریلی نظریں سہتا ہوں
جب سے اپنے گھر میں فارغ رہتا ہوں

ہمارے اکثر نوجوانوں کو تعلیم کے بعد جب ذریعہ معاش میسر نہیں آتا تو معاشرے کے کڑوے کسیلے لہجوں کو سہنا پڑتا ہے۔کینہ توز نگاہوں سے ان کے رشتے دار جو بھلے ہمدردی کی آڑ میں بات کر رہے ہوتے ہیں،لیکن اصل میں طعنہ وتشنیع کے تیر چلاتے ہیں۔مندرجہ بالا شعر ایسی صورتِ حال کی درست عکاسی کرتا ہے۔حسنین ساحر عمیق مشاہدہ کا حامل شاعر ہے۔شعر دیکھیے:

عجیب لوگ ہیں خاروں کی بات کرتے ہیں
شجر کے سامنے آروں کی بات کرتے ہیں

خاروں کی بات سے مراد پھولوں کے ہوتے،کانٹوں کا ذکر۔جیسے مکھی پورا جسم چھوڑ کر زخم پر ہی بیٹھتی ہے۔کچھ لوگ خوب صورتی کو چھوڑ کر منفی انداز میں سوچتے ہیں۔پھر دوسرے مصرعے میں کمال کر دیا کہ شجر جو سایہ دار ہوتا ہے،پرندوں کا مسکن یا پناہ گاہ ہے، بجائے یہ کہ اس کا بھلا سوچیں،اسے پنپنے دیں،اس کے سامنے آروں کی بات کر کے اس کے حوصلے پست کرتے ہیں۔یہاں شجر سے مراد ہر وہ شخص بھی ہے جو اپنے کام میں مگن ہے، جو مثبت سوچ کے ساتھ دوسروں کو فائدہ دینے میں مگن ہے لیکن اسے بد دل کرنے کی کوششیں کی جاتی ہیں۔اسے سکھ کا سانس نہیں لینے دیا جاتا۔بات جب انسانی رویوں کی ہو رہی ہے تو عشق جیسے مقدس عمل کے ساتھ کیے جانے والے مذاق کو حسنین نے کیا خوب صورتی سے باندھا ہے:

عشق سمجھا تھا میں جسے ساحرؔ
تیری اس دل لگی کو دیکھ لیا

ہر بندہ محبوب کے ناز و نعم اٹھاتا ہے۔اس کو ایسا کرنا اچھا لگتا ہے۔یہ محبوب کا مان بھی ہوتا ہے۔حسنین ساحر نے اپنی مصروفیات کے باعث رابطہ نہ کر سکنے کی وجہ سے محبوب کو باور کرایا ہے کہ اور بھی غم ہیں زمانے میں محبت کے سوا۔میں نے محسوس کیا ہے کہ حسنین کے

ہاں محبوب کے بلا جواز شکووں کا جواب بہت بھرپور انداز میں ہے۔:

کام میں پھنسا ہوں میں
تم سے کب جدا ہوں میں
تیرا ہو چکا ہوں میں
پھر بھی بے وفا ہوں میں؟
پیار کے سوا بھی کچھ زندگی کا مصرف ہے
اور وہ سمجھتے ہیں میری کج ادائی ہے

اور ہاں! اگر اتنی ہی بے اعتباری ہے، تم مجھے بوجھ سمجھتی ہو اور ساتھ نہیں چلنا چاہتی تو پھر:

تم اُتار دو مجھ کو
بوجھ بن گیا ہوں میں

شاعر کو اپنے محبوب سے اس حد تک پیار ہے کہ وہ سوتے جاگتے، چلتے پھرتے، ہر لمحہ ہر پل بس اسی کے خیال میں گم رہتا ہے۔ جس کا اظہار یوں کرتا ہے:

میں یوں تیرے اثر میں آ گیا ہوں
جہاں جاؤں تجھے ہی ڈھونڈتا ہوں

حسنین کے ہاں محبت کے اظہاریے جدید پیرائے میں دیکھنے کو ملتے ہیں۔ جیسے گزشتہ سطور میں مثالیں دی جا چکی ہیں۔ ان کی ایک غزل کے دو اشعار ملاحظہ ہوں:

ہم سب سہیں گے جور و ستم آپ کے مگر
یوں بے وجہ کی بات پہ روٹھا نہ کیجیے
کس نے کہا تھا حُسن کے چنگل میں آیئے
اب رتجگے نبھایئے سویا نہ کیجیے

حسنین ساحر کا کی نظر میں عشق آفاقی ہے، اکتسابی نہیں ہے۔ ان کے بقول:

عشق دنیا کی کوئی چیز نہیں
عشق عرشی ہے آسمانی ہے

حسنین ساحر محبت کے سچے جذبوں کا شاعر ہے۔ وہ محبت کا اظہار اس حد تک کرتا ہے کہ ''رانجھا رانجھا کوکدی نی میں آپے رانجھا ہوئی'' کی جیتی جاگتی تصویر بن جاتا ہے۔ ایک شعر دیکھیے:

اپنی آنکھوں میں بھر لیا میں نے
اُس کو بینائی کر لیا میں نے

ہم اکثر دیکھتے ہیں کہ محبت اور دردمندی کا جذبہ رکھنے والے لوگ ہی گھاٹے کا شکار ہوتے ہیں۔ لوگ اپنا بدنما سچ چھپانے کے لیے کسی بھی عزت دار انسان پر بہتان لگا دیتے ہیں۔ اب دوسروں کی عزت کو اپنی عزت اور دوسروں کے درد کو اپنا درد نہیں سمجھا جاتا۔ اقدار بدل رہی ہیں۔ انسانیت سے محبت کرنے والوں کو بے وقوف اور موقع پرستوں اور خودغرضوں کو عقل مند اور کامیاب تصور کیا جانے لگا ہے۔ بجائے اس کے کہ اہلِ محبت کو سکوں میسر آتا وہ تو مزید گرداب کا شکار ہو رہے ہیں:

میں نے ساحل کی سمت جانا تھا
پیار کر کے بھنور لیا میں نے

حسنین ساحر کے نزدیک جو لوگ محبت کرتے ہیں وہ پاکیزہ، اچھے اور سچے خیال کے لوگ ہوتے ہیں۔ ان سے کسی قسم کی کوئی ایسی حرکت سرزد نہیں ہو سکتی جو کسی کو گزند یا دُکھ پہنچائے۔ وہ قربانیوں کا منبع ہوتے ہیں۔ اشعار دیکھیے:

جن دلوں میں نہاں محبت ہو
وہ کبھی بھی دغا نہیں کرتے

عمر بھر کا مشاہدہ تھا یہ
ہم یونہی فیصلہ نہیں کرتے

حسنین ساحر، دوستی اور عشق میں بٹوارے کا قائل نہیں ہے اس لیے بڑے وثوق سے کہتا ہے:

جو میرا ہے، سب تیرا ہے
کیا پڑنا یار حسابوں میں

حسنین ساحر رشتوں کے بارے میں کیا خوب کہتا ہے:

مشکل آن پڑی تو ہو گئی پرکھ بھری دنیا کی
ساتھ میرے رہ گئے ہیں ساحرؔ بس اپنے ماں جائے

حسنین ساحر عشق کو لے کر بہت touchy ہے اور کسی صورت اس کے بارے منفی رائے کو برداشت نہیں کرتے۔اسی لیے کہتے ہیں:

تم نے بھی عشق کو سمجھا ہے فقط کارِ عبث
تیری اس سوچ پہ افسوس ہے، حیرانی ہے

حسنین ساحر عملی زندگی کی مشکلات سے متعلق بہت خوب صورت انداز میں بات کرتے ہیں۔غمِ جاناں کے ہوتے غم زندگی کا ادراک رکھتے ہیں۔جیسے کسی شاعر نے کہا تھا ''تجھ سے بھی دل فریب ہیں غم روزگار کے''۔اس بات کو حسنین ساحر نے کچھ اس طرح کہا ہے:

کہا بھی تھا کارِ زندگانی بہت کٹھن ہے خیال رکھنا
یوں ہر گھڑی اس کی یاد میں بدحواس رہنا نہیں مناسب

مادیت پرستی کے دور میں جب کوئی خود کو آپ کا اپنا کہہ کر آپ کی سادگی اور جذبوں کی سچائی کے ساتھ کھلواڑ کرے تو یقینا بہت دکھ ہوتا ہے اور انسان سب کچھ سمجھ رہا

ہوتا ہے اور بار ہا لوگوں کے بتانے پر، بات ماننے کو تیار نہیں ہوتا کیوں کہ اس کی آنکھوں پر مروّت اور محبت کی پٹی چڑھی ہوتی ہے:

جس کے لیے زمانے سے لڑتا رہا تھا میں
اپنا بنا کے وہ بھی مجھے لوٹتا رہا

حسنین ساحر کے ہاں تعلّی کا عنصر بہت گہرا ہے۔ وہ اپنے اس زعم کا اظہار اپنے اشعار میں بھی کرتا ہے کہ اس کی شخصیت میں ایسی خاص بات ہے کہ وہ جس سے ہم کلام ہو جائے، جو اس کی قربت میں آجائے پھر اس کا یہ حال ہوتا ہے:

وہ پتھر موم ہو جاتا ہے ساحرؔ
نظر بھر کر جسے میں دیکھتا ہوں

حسنین ساحر کو یہ زعم رہا ہے کہ ایک دن اُس پر لوگ بولیں گے لکھیں گے۔ مندرجہ ذیل شعر سچ ثابت ہو رہا ہے۔ حسنین ساحر پر مختلف جامعات میں تحقیق جاری ہے۔

مجھ پہ لکھا نہیں گیا لیکن
مجھے پہ لکھیں گے ایک دن سارے

چڑھتے سورج کے پجاری ہمارے معاشرے میں عام دیکھے جا سکتے ہیں۔ معاشرتی اقدار زوال کا شکار ہیں۔ اس بات کا شکوہ حسنین ساحر کے ہاں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک وقت تھا جب ان کے منہ سے نکلی ہر بات کو تسلیم کیا جاتا تھا۔ وہ شاید ان کے عروج کا دور تھا اسی لیے ان کی بات سنی اور مانی جاتی تھی لیکن اب ویسا کچھ نہیں رہا:

کسی کو بات میری اب سمجھ نہیں آتی
مرے عروج کو شاید زوال ہو گیا ہے

حسنین ساحر معاشرے کا نبض شناس شاعر ہے۔ وہ بہت باریک بینی سے مشاہدہ

کا قائل ہے۔ جس کا ثبوت اس کا یہ خوب صورت شعر ہے:

سبھی نے ہے زَر کو خدا چن لیا
یہ مطلب پرستوں نے کیا چن لیا

جن کے قدموں کے نشان پر چلنے میں انسان فخر محسوس کرتا ہے اور سوچتا ہے کہ یہ مجھے منزل تک لے جائیں گے۔ مسافت کاٹتے ہوئے جب انھی کے قدم لڑکھڑاتے دیکھتے ہیں تو برملا کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں:

مرے رہبر کے قدموں میں ہے لغزش
مجھے خود ہی سنبھلنا پڑ گیا ہے

موجودہ دور کی سیاست پر بھی حسنین ساحر کی گہری نگاہ ہے وہ سیاست کا چرتر دیکھ کر زیادہ خوش نظر نہیں آتا۔ سیاست کو موذی وبا قرار دے کر معاشرے کو لاعلاج سمجھتا ہے۔ اس پر کڑھنا حسنین کا حق ہے اور اس نے کمال انداز میں اپنی بات کا اظہار کیا ہے۔ اسی لیے مایوسی کے عالم میں یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں:

سیاست کو مسیحا کیا سمجھنا
سیاست تو بڑی موذی وبا ہے

منافقانہ نظام اور رویوں پر طنز ان کے ہاں متعدد مقامات پر مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ ہمارے سیاسی نظام میں منافقت اور مطلب پرستی بہت پائی جاتی ہے۔ اس کا ذمہ دار حسنین عوام ہی کو سمجھتا ہے۔ اسے لوگوں کی سادگی کہیے یا بزدلی، لیکن لوگ لیڈر اپنی پسند سے چنتے ہیں اور ہر کسی کا اپنا معیار ہے۔ یہ سچ ہے کہ ہم اپنے حکمرانوں کا چناؤ خود کرتے ہیں:

جس کو آتا نہیں مکر جاتا
لوگ اُسے رہنما نہیں کرتے

سیاستدانوں اور حکمرانوں کے منافقانہ رویوں اور عوام کو دیے گئے لولی پاپ کے

اوپر اس سے اچھی چوٹ ہو ہی نہیں سکتی۔ جس میں ڈنکے کی چوٹ پر ریاکار اور فنکار قسم کے حکمرانوں کے منہ پر طمانچہ جڑ دیا ہے۔ شعر دیکھیے:

میرے لوگوں کی بہبود لاروں پہ ہے
سنگِ بنیاد پر بجلیاں گر پڑیں
دل میں ہے مکر بھرا اور ہے لہجہ شیریں
حاکمِ وقت بتا تیری یہ عادت کیا ہے

حسنین ساحر کی فصیلِ جاں کا مطالعہ میرے لیے وبالِ جاں بن گیا ہے۔ کہ ہر غزل میں ہر شعر، ہر خیال اس بات کا متقاضی ہے کہ اس پر بات کی جائے۔ لیکن یہ ایک مضمون میں ممکن نہیں ہے۔ ان کی یہ کتاب میرے لیے ''چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی'' کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ حسنین ساحر ایک حقیقت پسند انسان ہے۔ اس کا شعر دیکھیے:

وہ بھول جائے مجھے یہ کبھی نہیں ممکن
مگر وہ راستہ بدلے یہ ممکنات میں ہے

حسنین ساحر کبھی کاسہ لیس یا خوشامدی نہیں رہا۔ جی حضوری سے اس کو چڑ ہے۔ وہ اپنی ذات میں مست الست ہے اور چڑھتے سورج کا کبھی پجاری نہیں رہا۔ اس بات کا اظہار بہت خوب صورت پیرائے میں کیا ہے:

ہم بھی ساحرؔ جی سراہے جاتے ایوانوں میں آج
اپنی فطرت پر مگر سچائیوں کا بوجھ ہے

حسنین ساحر نے معاشرے میں پائے جانے والے تضاد، منافقانہ رویوں اور دو چہرگی پر کیا پھبتی کسی ہے:

کیسے کیسے روپ ہیں انسان کے
چہرے کے پیچھے نیا چہرہ ملا

حسد ایک بیماری ہے۔ اکثر لوگ دوسروں کی کامیابی دیکھ نہیں سکتے۔ دوسرے کو گرا کر آگے بڑھنے کی روش عام ہے۔ خود محنت اور کوشش سے کتراتے ہیں۔ خود ترقی کرنے کی بجائے دوسرے کو گرانا ایک عام سی بات ہوگئی ہے۔ حسنین ساحر ایسے ہی اوچھے ہتھکنڈوں کے خلاف کہتے ہیں:

صاف کہہ دیتے مجھے میں چھوڑ دیتا راستہ
کیا ملے گا اس طرح سے میرا پتا کاٹ کے

بچپن میں اکثر بہت ہی معصومانہ کھیل کھیلا جاتا تھا۔ جس میں دوپٹے کے پلو میں ٹوٹی ہوئی چوڑی کو لپیٹ کر توڑا جاتا تھا۔ پھر پلو کو کھول کر ٹوٹے ہوئے ٹکڑوں کے درمیان جو ٹکڑا بڑا ہوتا تھا اس سے دوسرے کے دل کا اندازہ لگایا جاتا تھا کہ اس کا دل بڑا ہے یا چھوٹا۔ یہ کھیل آج کی نسل نہیں جانتی۔ حسنین ساحر کا تعلق اس آخری جنریشن سے ہے جنھوں نے یہ کھیل کھیلا ہے۔ اب یہ کھیل متروک ہو چکا ہے۔ لیکن حسنین ساحر کی یادداشتوں میں بچپن کا یہ معصوم کھیل رچ بس گیا ہے۔ انھوں نے اپنے محبوب کی معصومیت کو اسی کھیل کے پیرائے میں بہت خوب صورتی کے ساتھ بیان کیا ہے:

ٹوٹی چوڑی سے ناپتی ہو دل
کھیل کو سچ خیال کرتی ہو

میں نے شاعری میں اس استعارے کو اس سے پہلے اس طرح استعمال ہوتے نہیں دیکھا۔ یہ جدت پسندی کی علامت ہے۔ حسنین ساحر ایک جدید فکر و اسلوب کا شاعر ہے۔ حسنین ساحر بعض اوقات بہت دور کی سوچتا ہے۔ جیسے ہم سب جانتے ہیں کہ رب نے انسانوں کو پہچان کے لیے قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کیا ہے۔ لیکن معاشرے میں پیشوں کو ذاتوں کا درجہ دے دیا گیا جو کسی طور درست نہیں ہے۔ اس معاملے کو بیان کرتے ہوئے حسنین ساحر کہنے پر مجبور ہوئے:

کچھ بیمار ذہن تھے ساحرؔ
جو پیشوں کو ذاتیں کر گئے

اکثر انسان اپنے حالات سے اُکتا جاتا ہے۔ زندگی یا تو جمود کا شکار ہو جاتی ہے یا ایسی متحرک ہوتی ہے کہ سکون غارت ہو جاتا ہے۔ زندگی سے تنگ آئے لوگوں کو سامنے رکھتے ہوئے کیا خوب بات کی ہے:

زندگی! شام ہونے کو آئی
کب مسافت کا خاتمہ ہو گا؟

اپنے کام سے کام رکھو تم میری باتیں چھوڑو یار
سحری کا میں ایک دیا ہوں دیکھو کب تک جلتا ہوں

حسنین ساحر کا یہ ترغیبی شعر اپنے اندر بہت گہرائی رکھتا ہے۔ اور مایوس لوگوں کے لیے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں ایک ایسا دیا ہے جو یاسیت اور بددلی سے نکال کر عمل کے راستوں پر رواں دواں کرتا ہے:

کیسے جیتو گے جب تلک خود کو
ہار سے آشنا نہیں کرتے

جیسے کہ ابتدا میں گزارش کی تھی کہ یہ کوئی تنقیدی مضمون نہیں۔ بس میں نے حسنین ساحر کی شخصیت کو ان کے اشعار کی روشنی میں دیکھنے کی سعی کی ہے۔ قصۂ مختصر تمام ہوا۔

......☆......

[سہ ماہی ''دستک۔ مری''، مئی۔ اگست 2019ء]

گاؤں دفن ہوئے ہیں شہروں کے نیچے

عابدہ ناز عابی

ٹالسٹائی کہتے ہیں ''اگر آپ فن میں سچی محبت اور اوریجنلٹی دیکھنا اور محسوس کرنا چاہتے ہیں تو جائیں اور دیہات کے کچے مکانات میں رہنے والوں کے آرٹ کو دیکھیں''۔ ٹالسٹائی کی بات کا مقصد یہ ہے کہ جو لوگ فطرت کی گود میں پیدا ہوتے ہیں، وہاں پرورش پاتے ہیں، نہ صرف ان کی معاشرتی زندگی سادہ اور پُرخلوص ہوتی ہے، بلکہ ان کا فن، ادب، شاعری اور دیگر روحانی سرگرمیاں بھی اسی کے زیرِ اثر ہوتی ہیں۔ مٹی کے یہ کچے گھر ہمارے دیہاتی حسن اور ثقافت کے امین ہیں۔ فطرت سے قریب تر یہ کچے مکان ہماری تاریخ، روایات، ثقافت، رومان اور اقدار کو محفوظ کیے ہوئے ہیں۔ لیکن آج کل پوری دنیا اربنائزیشن کی طرف رواں دواں ہے۔ اس کے باعث یہ کچے مکان یا تو خالی ہو رہے ہیں یا پھر ڈھائے جا رہے ہیں۔ گاؤں سے محبت فطری ہے اور اس محبت کا اظہار شعرا و ادبا کی تخلیقات میں بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔ حسنین ساحر نے بھی اپنی شاعری میں گاؤں اور گاؤں کی زندگی سے بھرپور محبت اور وابستگی کا اظہار کیا ہے۔

آج جس دور میں ہم جی رہے ہیں یہ جدید ٹیکنالوجی کا دور ہے اور جدید ٹیکنالوجی کی اہمیت سے کوئی باشعور انسان انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ آج کے جدید نظامِ زندگی نے ہمیں فطرتی حُسن اور قدرتی مناظر سے دُور کر دیا ہے۔ آج ہمیں نہ تو پرندوں کی چہچہاہٹ سے محظوظ ہونا نصیب ہوتا ہے، نہ ہی جھرنوں کی جلترنگ اور دریاؤں کی گونجتی آوازیں سننے کو ملتی ہیں۔ ہم صرف سکرین پر درختوں کے پتوں کی سرسراہٹ سننے تک محدود رہ گئے ہیں۔ پتھریلی زمینوں پر چلنے کی بجائے پکے فٹ پاتھوں کے عادی

ہو گئے ہیں۔ ہم اپنے بلند و بالا مکانات کے خوب صورت ڈرائنگ رومز میں کچے مکانات کی دیدہ زیب پینٹنگز تو آویزاں کر دیتے ہیں لیکن، ہم اس مٹی کی دل فریب خوشبو محسوس نہیں کر سکتے۔ شہروں کا بڑھتا ہوا حجم گاؤں کو نگلتا جا رہا ہے۔ ہم گاؤں کے قدرتی حُسن سے محروم ہوتے جا رہے ہیں۔ اسی تناظر میں حسنین ساحر نے شہروں کو قبرستان سے تشبیہہ دی ہے:

گاؤں دفن ہوئے ہیں شہروں کے نیچے
میں بھی تو اِک قبرستان میں رہتا ہوں

زرعی زمینیں اور کھیت کھلیان ہاؤسنگ سوسائٹیوں اور کارخانوں کے نیچے دفن ہوتے جا رہے ہیں۔ کھیتی باڑی کی نسبت سیمنٹ اور سٹیل کی اہمیت بڑھ گئی ہے۔ اس رُجحان کے باعث مختلف ماحولیاتی تبدیلیوں نے جنم لیا ہے۔ حسنین ساحر کے بقول:

جب سے لوہا اُگا رہے ہیں ہم
تب سے بارش بھی کم برستی ہے

ہماری زندگیوں کو کنکریٹ اور لوہے کا جنگل مسلسل اپنی لپیٹ میں لے رہا ہے۔ فطرت ہماری آنکھوں سے اوجھل ہوتی جا رہی ہے۔ حالاں کہ فطرت تو اب بھی موجود ہے۔ وہی سورج ہے، وہی چاند ہے اور ویسے ہی تارے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ موسم بدل گئے ہیں۔ بلاشبہ موسم بھی بدلے ہیں لیکن ان کے بدلنے کی بڑی وجہ تہذیب و ثقافت کے حوالے سے ہمارے رُجحانات، ہمارے مزاج اور طرزِ زندگی کی تبدیلی ہے جس نے ماحول کو بری طرح متاثر کیا ہے۔ اسی تناظر میں حسنین ساحر کی نظم ''ابتری'' ملاحظہ ہو:

پیڑ کٹا اور سایہ رُوٹھا، چڑیوں کی چہکار گئی
مَرمَر نے آنگن کو ڈھانپا، مٹی کی مہکار گئی
بلبل رُوٹھ گئے ہیں، جب سے گاؤں نگلے شہروں نے
گیت ہوا کے رہے نہ باقی پتوں کی چھنکار گئی

اسی حوالے سے حسنین ساحر کا دوہا ملاحظہ ہو:

رُوٹھ گئی ہے پیپل کی وہ ٹھنڈی میٹھی چھاؤں
شہر تِرا آباد رہے جو کھا گیا میرا گاؤں

آج کے ترقی یافتہ دور اور مصروف تر زندگی نے ہمیں نہ صرف فطرت سے دُور کر دیا ہے بلکہ ماحولیاتی آلودگی کے باعث قدرت کے یہ خوب صورت مناظر ہم سے دُور ہوتے چلے جارہے ہیں۔ جدید نظامِ زندگی کی تیز رفتاری اور اس کے مصنوعی پن سے اُکتا کر لوگ اب اپنی سابق طرزِ زندگی کے لیے ترس رہے ہیں۔ جس کا واضح ثبوت حال ہی میں اٹلی میں دس لاکھ سے بھی زیادہ افراد کا اپنے قدیم گھریلو سسٹم کی بحالی کے لیے احتجاج کرنا ہے۔ حسنین ساحر کے یہاں بھی شہری زندگی سے اکتاہٹ کا اظہار موجود ہے:

میں نے اپنے گاؤں واپس جانا ہے
شہروں پر وحشت کے سائے رہتے ہیں

....

یہ میرا شہر ہے یا کوئی قید خانہ ہے
بہت گھٹن ہے یہاں، میں نے گاؤں جانا ہے

گاؤں ہر اُس شخص کے ناسٹیلجیا میں بہت مضبوطی کے ساتھ قدم جمائے ہوئے ہے جو شہری زندگی کا حصہ بن چکا ہے۔ گاؤں کی زندگی کی معصومیت، اس کی اپنائیت اور سادگی زندگی بھر اپنی طرف کھینچتی ہے۔ ان کیفیتوں سے ہم میں سے اکثر لوگ گزرے ہوں گے اور اپنے داخل میں اپنے اپنے گاؤں کو جیتے ہوں گے۔ کیفی اعظمی کے بقول:

میرا بچپن بھی ساتھ لے آیا
گاؤں سے جب بھی آ گیا کوئی

حسنین ساحر بھی شہری تعمیرات کے نیچے دبی بچپن کی یادوں کو کھوج نکالنے کی

خواہش رکھتے ہیں۔ان کا شعر ملاحظہ ہو:

دل کہتا ہے اپنے شہر سے ہجرت کر لوں
یا اس شہر کو کھود کے بچپن ڈھونڈ نکالوں

سرمست ہوائیں ہمیں ہمیشہ مبہوت کیے رکھتی ہیں۔ جہاں صبح ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا ہمیں تر و تازہ اور ہشاش بشاش کرتی ہے، وہیں سورج کی کرنیں زمین پر پڑتے ہی ہر طرف اُجالا کر دیتی ہیں اور ہم نئے دن کا آغاز کرنے کے لیے دوبارہ سے سرگرم ہو جاتے ہیں۔ قدرت کے یہ پر کیف و دل نشیں نظارے اپنے حسن کو دکھاتے ہوئے کوئی پردہ نہیں رکھتے۔ حسنین ساحر ایک شعر ملاحظہ ہو:

سکوں افزا ہے اُس مہوش کی مُورت
وہ گاؤں کی سُریلی چاندنی ہے

....

عجب سکون ہے فرحت ہے ان ہواؤں میں
تمھارے گاؤں سے رشتہ مِرا پرانا ہے

حسنین ساحر اپنی مٹی سے ذہنی اور جذباتی طور پر وابستہ ہیں اور یہ وابستگی ان کی شاعری میں گاؤں سے محبت کی صورت میں سامنے آتی ہے۔

......☆......

[راولپنڈی، 23اپریل 2023ء]

حسنین ساحر کی ''فصیلِ جاں''

شمائلہ عزیز ستی

شاعری ہو یا نثر، اگر اس کی زبان سادہ ہے تو خوب ہے کہ سمجھنے میں آسانی رہتی ہے۔لیکن، اگر فکر عامیانہ ہے تو دلچسپی جاتی رہتی ہے اور بے زاری سی ہونے لگتی ہے۔ یہ بھی سچ ہے کہ دنیا میں کوئی بات نئی بات نہیں ہوتی لیکن اندازِ بیاں اگر دلکش اور دلچسپ ہو تو پرانے مضامین بھی نئے ہو جاتے ہیں۔ اسلوب اور فکر و فن کے حوالے سے اُردو ادب کے محققین و ناقدین نے بڑی ضخیم کتابیں، مشکل مضامین اور کھری تنقید لکھ رکھی ہے تو ناچیز ایسے ہیچمدان کی کیا بساط کہ مزید کچھ لکھ سکوں۔ البتہ ان کے نظریات و ارشادات کی روشنی میں اپنا کوئی معیار طے کرنے کی سعی کی جا سکتی ہے۔نثر نگار کو بڑی سہولت رہتی ہے کہ وہ بغیر کسی دِقت اور پابندی کے اپنے من پسند الفاظ کا استعمال کر کے اپنے خیالات کو ترتیب دے سکتا ہے۔مگر شاعری میں علمِ عروض کی پابندیوں نے نپے تُلے بہترین کھرے لفظوں میں مختصر مگر جامع بات کرنے کی حد قائم کر رکھی ہے۔ پھر وزن، بحر، ردیف، قافیہ اور زمینوں کے جھگڑے الگ۔۔۔ ایک عام قاری کے پلے لکھا ہوا شعر پڑ جائے تو غنیمت ہے۔ خیر کچھ عرصہ قبل اپنے اساتذہ قبیلے سے حسنین ساحر کی غزلیات کا مجموعہ ''فصیلِ جاں'' ملا۔ حسنین ساحر پیشہ معلمی سے منسلک ہونے کے ساتھ ساتھ اردو ادب کے محقق بھی ہیں اور اپنے مخصوص طرزِ سُخن کے باعث شاعر کی حیثیت سے ایک مخصوص پہچان رکھتے ہیں۔

معلم ہونا یوں تو علم سے گہری وابستگی کی علامت ہے لیکن شعر و ادب کی طرف رغبت ہونے کے باوجود بعض افراد اس طرف پیش رفت نہیں کر سکتے۔ استاد اور شعر و شاعری، افسانے، کہانیاں۔۔۔استغفار! معاشرے میں بڑا ہی معیوب سمجھا جاتا ہے۔

حالاں کہ بھلے وقتوں میں شعرا و ادبا اتالیق مقرر کیے جاتے تھے۔ پیشے کا شوق سے کیا تعلق۔ خیر، حسنین ساحر کی زبان و ادب میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری تکمیل کے آخری مراحل میں ہے۔ ''فصیلِ جاں'' کے علاوہ تحقیق و تنقید کے حوالے سے ان کی چار کتب اشاعت آشنا ہو چکی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ایک محقق ہونے کی حیثیت سے ادب کے ضابطوں اور باریکیوں سے اچھی طرح واقف بھی ہیں۔

''فصیلِ جاں'' کے شاعر حسنین ساحر کا آبائی علاقہ تلہ گنگ ہے۔ پیدائش و پرورش اسلام آباد میں ہوئی اور تدریسی فرائض ملکہ کوہسار مری میں انجام دے رہے ہیں۔ اس طرح وہ بیک وقت زندگی کے کئی چہروں سے روشناس ہوتے ہیں۔ حالات کے نشیب و فراز، مٹھاس کڑواہٹ، تلخیوں اور الجھنوں کو سمجھتے ہیں۔ ایک طرف شاعری کا اپنا میٹھا پن اور چاشنی، تو دوسری طرف زندگی کے کھرے پن سے لڑتے ہوئے شخص کا مشاہدہ۔۔۔ ''فصیلِ جاں'' انھی کھٹی میٹھی کہانیوں کا عکس سمیٹے ہوئے ہے۔ ''فصیلِ جاں'' ذات کے اظہار کے ساتھ ساتھ ہماری سماجی، معاشی، سیاسی اور معاشرتی زندگی کا نوحہ ہے۔ ایسے کھرے سچ، جنھیں ہم سب جانتے ہوئے بھی، ان سے آنکھ چراتے ہیں۔ لیکن، حسنین ساحر نے انھیں لکھ ڈالا ہے۔ اُن کے یہاں ایک اور خوب صورت بات مقامی زبان کے الفاظ کا دلکش استعمال ہے۔ جس نے ان کی شاعری کا لطف دوبالا کر دیا ہے۔ حسنین ساحر کی ''فصیلِ جاں'' کا کمال یہ ہے کہ یہ کسی دیباچے، پیش لفظ، فلیپ یا تبصرے کے بغیر اپنا تعارف خود کروانے چلی ہے۔

''فصیلِ جاں'' سے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

تمھاری جلوہ نمائیاں ہیں جہان بھر میں
مری بصارت کا امتحاں ہے، عجب سماں ہے

....

جو تیرہ بختیوں میں راہبر ہو
میں اِک ایسا ستارہ ڈھونڈتا ہوں

....

میں اس امید پہ خامہ سرا ہوا ساحرؔ
کہ بے زبان کو شاید کوئی زبان ملے

....

ایک چوکھٹ سے باہر کہانی گئی
گھر کی بنیاد پر بجلیاں گر پڑیں

....

مَن سے منتقل ہو کر تن پہ آن پہنچی ہے
احتیاج مندی ہی رسمِ آشنائی ہے

حسنین ساحر دقیق اور ثقیل الفاظ وتراکیب سے گریز کرتے ہیں۔ان کی سادہ اور سلیس زبان ان کی شاعری کا خاص وصف ہے۔ ''فصیلِ جاں'' غزلیات کا مجموعہ ہے۔ تاہم حسنین ساحر دوہا نگاری اور جدید ریختہ گوئی کے حوالے سے بھی شہرت رکھتے ہیں۔حسنین ساحر کی شاعری پر کئی مقالے لکھے جا چکے ہیں۔امید ہے یہ سلسلہ آگے بھی جاری وساری رہے گا۔

......☆......

[روزنامہ ''اودھ نامہ'' لکھنؤ، انڈیا۔ 7 جنوری 2023ء]

حسنین ساحر: جدتِ فکر کا شاعر

نورین اعوان

فنِ شاعری میں جدیدیت کو دو دَرجوں میں منقسم کیا جاتا ہے۔ اول، زبان و بیان کی جدت ہے جس میں بیان و بدیع کا استعمال جدید پیرایۂ اظہار میں ہوتا ہے۔ جب کہ دوسرے درجے میں جدت سے مراد افکار کی ندرت ہے۔ بعض اوقات افکار کی جدت بھی زبان و بیان کی ندرت کی متقاضی ہوتی ہے۔ کچھ تخلیق کار براہ راست اپنے احساسات میں ندرت لاتے ہیں۔ حسنین ساحر کا شمار بھی ایسے نوجوان شعرا میں ہوتا ہے جن کی شاعری میں براہِ راست جدت کے مظاہر پائے جاتے ہیں جس کے لیے انھوں نے نادر النظیر تشبیہات و استعارات اور ترکیبات کا سہارا بھی لیا، لیکن اُن کا خاص وصف یہ ہے کہ انھوں نے اپنے قاری کو مشکل میں نہیں ڈالا۔ اُن کا غزلیہ مجموعہ ''فصیلِ جاں'' غیر روایتی اسلوب اور فکر کا عکاس ہے۔

حسنین ساحر کے ہاں محبت کے پوتر جذبے اچھوتے انداز میں پائے جاتے ہیں جن میں رفعتِ تخیل کا پہلو جلوہ فرما نظر آتا ہے۔ ان کی ایک غزل اس ضمن میں پیش کی جاتی ہے:

کہتے ہیں محبت میں خسارا نہیں ہوتا
لیکن جو ہمارا ہے، ہمارا نہیں ہوتا
گر مجھ کو مِری جان سے پیارا نہیں ہوتا
اُس کے لیے، میں خود سے یوں ہارا نہیں ہوتا
ہر دل کو خوشی راس نہیں آتی جہاں میں

ہر دل کو محبت کا سہارا نہیں ہوتا
کچھ راہ نوردوں کا ہے وجدان ہی رہبر
ہر ایک کی قسمت میں ستارہ نہیں ہوتا
تجویز نئے پیار کی اچھی ہے تمھاری
پر عشق جو پہلا ہے، دوبارہ نہیں ہوتا
اک بار جو اُترا، اُسے بہنا ہے ہمیشہ
دریائے محبت کا کنارہ نہیں ہوتا
میں آج بھی لکھا گیا تفصیل سے ساحرؔ
اخبار کی خبروں میں اشارہ نہیں ہوتا

حسنین ساحر کے خیالات غیر روایتی نوعیت کے ہیں جن میں عشق ومحبت کی کرشمہ سازیاں بھی ہیں اور بے اعتنائی بھی۔ اُن کے ہاں عمومی افکار بھی نئے رنگ ڈھنگ میں پائے جاتے ہیں۔ ان کے بیان کا اسلوب ایک خاص انفرادیت کا حامل ہے۔ اسی نسبت سے اُن کے چند اشعار دیکھیے:

تجربے محبت کے جب میں نظم کرتا ہوں
تنگ نظر سمجھتے ہیں میری خود نمائی ہے

....

تیری خواہش ہے محترم لیکن
تیری سوچوں سے ماورا ہوں میں

....

محبت کے سبھی جِن کر لیے ہیں بند، بوتل میں
خمارِ دل لگی ہے، حُسن سے میں ڈر نہیں سکتا

....

مجھے پانے کے اب وہ خواب چھوڑے
میں اُس کی دسترس سے ماورا ہوں

حسنین ساحر کے ہاں عصری رویوں کا مذکور بھی ہے اور جدید عہد کے تقاضے بھی مکمل کروفر کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔ انسانی نفسیات میں تبدیلی کا ذکر بھی بھرپور انداز میں پایا جاتا ہے جس سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ وہ انسانی نفسیات کا عمیق ادراک رکھتے ہیں۔ تخلیق کار حساس ہوتا ہے اس لیے ان امور کی جانکاری ایک فطری حقیقت ہے۔ دور بدلا دور کے تقاضے بدلے جس کے باعث رومانوی احساسات میں بھی انقلابی تبدیلیاں وقوع پذیر ہوئیں۔ اسی تناظر میں چند اشعار ملاحظہ ہوں جن میں محبت کے ضمن میں بدلے ہوئے رویوں کا بھرپور اظہار موجود ہے:

اپنا شیوہ رہا محبت میں
تُو نہیں تو کسی کو دیکھ لیا

....

چھوڑ کر حُسن و غمِ دل کے قضیّے ساحرؔ
میں نے لفظوں کی اداؤں سے محبت کر لی

....

عجب وحشت ہے میرے دل پہ طاری
محبت سے مکرتا جا رہا ہے

....

سارے دعوے ہیں یار فلمی سے
کون ہے جو کسی پہ جاں وارے

حسنین ساحر ایک عمل پسند انسان ہیں۔ ان کی محبت کا خیال وخواب کی دنیا سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ محبت اور معاملاتِ محبت کو حقیقت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ صداقت

پسندی اور جرأت اظہار اُن کا خاص وصف ہے:

پیار کے سوا بھی کچھ زندگی کا ہے مصرف
اور وہ سمجھتے ہیں میری کج ادائی ہے

....

کام میں پھنسا ہوں میں
تم سے کب جدا ہوں میں

....

تیرا ہو چکا ہوں میں
پھر بھی بے وفا ہوں میں؟

....

تم اُتار دو مجھ کو
بوجھ بن گیا ہوں میں

حسنین ساحر کے ہاں جو فکری رنگارنگی پائی جاتی ہے وہ سب جدید طرزِ بیان کی حامل ہے جنھیں آئندہ زیرِ بحث لایا جائے گا۔

......☆......

[روزنامہ ''اودھ نامہ'' لکھنؤ، انڈیا۔ 4 دسمبر 2020ء]

ساحرِ شہرِ خوباں: حسنین ساحر

فریدہ انجم (پٹنہ سٹی۔انڈیا)

زندگی، غم سے عبارت ہے اور غم کا نتیجہ، کتھارسس کی صورت میں ہوتا ہے، چاہے اپنے غم گساروں کو اپنا دکھ درد اور غم، سنایا جائے یا زمانے کے ڈر سے اس درد، دکھ اور غم کو دل میں چھپا کر جیا جائے۔ جب دل میں، یہی غم، پروان چڑھتا ہے تو دل سے ہوک سی اٹھتی ہے...... یہ ہوک، نثری بھی ہو سکتی ہے اور منظوم بھی......

اگر، یہ ہوک منظوم ہو تو لوگ اسے شاعری کا نام دیتے ہیں۔ جس کی مختلف اقسام ہیں مگر، ان اقسام میں، ایک شاعری کی مشہور و معروف قسم ''غزل'' بھی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ غزل اردو شاعری کی آبرو ہے۔ یعنی غزل کے بغیر اردو شاعری کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ یا یوں کہیں کہ غزل اردو شاعری کی پہچان ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ غزل کی اپنی ایک ثقافتی، تہذیبی اور سماجی فضا ہوتی ہے۔ اس کا اپنا ایک الگ انداز و بیان ہے۔ یہ اس روایت کا نام ہے جو ہم تک میر، سودا، ذوق، غالب، داغ، جگر اور حضرت علامہ محمد اقبال کے وسیلے سے پہنچی ہے۔

شاعر تو بہت ہوئے ہیں اور ہو رہے ہیں لیکن غزل کو صحیح معنوں میں غزل کے طور پر برتنے کا فن سب کو نہیں آیا۔ میرے خیال میں، ہر کوئی اپنے اپنے دھن میں مگن، غزل کہتا رہتا ہے، ہر ایک کی اپنی اپنی آواز ہے، انھی آوازوں کی بھیڑ میں ایک آواز منفرد لب و لہجے کے شاعر "حسنین ساحر" کی بھی ہے حسنین ساحر کو اس فن پر مہارت اس قدر حاصل ہے کہ ان کے اشعار میں غزل کے روایتی اور کلاسیکی انداز کے علاوہ، رنگِ جدت بھی نمایاں ہے۔ اشعار دیکھیے:

آپ کی مسکراہٹ سکوں ہی سکوں
یہ اداسی ہنسی میں بدل دیجیے

....

وہ پتھر موم ہو جاتا ہے ساحرؔ
نظر بھر کر جسے میں دیکھتا ہوں

....

اس کی آنکھوں میں پڑھ لیا خود کو
جی نہیں لگ رہا کتابوں میں

اس قصیدے نے تو ساحر کی شہرت میں چار چاند لگا دیے۔ انھوں نے ''ساحرؔ'' تخلص اختیار کر کے، خود ہی ''صنم غزل'' کی دعوت دی ہے۔ چند اشعار اہلِ ذوق کی نذر:

بھول جانا مجھے ممکن ہی نہیں تیرے لیے
شور ہوں میں، تیری سانسوں میں مچایا گیا ہوں
جس طرف نظریں اٹھائیں گے مجھے پائیں گے
عکس ہوں سب کی نگاہوں میں سمایا گیا ہوں

ساحر عاشق مزاج ہیں اور بلا کے جمال پرست بھی واقع ہوئے ہیں۔ ہر شاعر، ہر فن کار یا ہر تخلیق کار جمال پرست ہوتا ہے۔ جمال پرستی کوئی عیب نہیں، بلکہ فن کار کی صلاحیتوں کو جلا بخشنے کے لیے ''جمال پرستی'' ضروری ہے......مگر، ساحر، اس حوالے سے خوش نصیب ہیں کہ بچپن ہی سے حسن ان کو اپنی طرف کھینچتا رہا ہے۔ بہ قول شوکت محمود شوکت صاحب:

> ''ساحر بلا کا جمال پرست واقع ہوا ہے مگر، اس کی جمال پرستی، ولی دکنی کی طرح ہے، وہ ہوس پرست نہیں، بلکہ حسن اور جمال کو نگاہِ پاکیزہ سے دیکھنے کا عادی ہے۔ وہ بانگ دہل

غالب کا یہ شعر پیش کرتا ہے:

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی
اب آبروئے شیوۂ اہل نظر گئی''

یا اس کے لبوں پر شوکت محمود شوکت صاحب کا یہ شعر بھی گردش کرتا رہتا ہے:

مٹ چلی ہے آبروئے سرفروشانِ وفا
شہر کا ہر فرد ہی جب، قیس ہے، فرہاد ہے

وہ حسن کو عطیۂ خداوندی قرار دیتا ہے اور یہی اس کا فلسفۂ حسن ہے۔ ساحر، کبھی ساحر نہ ہوتا، اگر اسے، شوکت محمود شوکت صاحب جیسے مشفق اور استاد دوست میسر نہ آتے۔ انھوں نے پہلا مشاعرہ ہی شوکت صاحب کی زیرِ سرپرستی پڑھا اور پہلا مشاعرہ ہی نہ صرف لوٹا بلکہ شعرا اور شاعرات کے دل بھی لوٹ لیے۔

آج، ساحر، ''فصیلِ جاں'' کا سرنامہ لیے، ایک عدد شعری مجموعے کا خالق بھی ہے۔ جس میں، ساحر نے، کلامِ ریختہ بھی شامل کیا ہے۔ میرے خیال میں، جہاں، فی زمانہ، شعرا، فارسی اور عربی زبانوں سے دور بھاگتے ہیں، وہاں ساحر کا کلامِ ریختہ کہنا غنیمت ہے۔ میری دعا ہے کہ وہ اسی طرح، دل کی دنیا بسائے رکھیں اور قارئین و ناظرین کو اپنی پیاری پیاری شاعری سے لطف اندوز ہونے کا موقع فراہم کرتے رہیں۔ آخر میں شوکت محمو شوکت صاحب کا ایک شعر ان کی نذر کر کے اجازت چاہوں گی:

شاعر ہی نہیں صرف، وہ ساحر بھی ہے ظالم
شوکت، سے ذرا کم ہی ملو گے، یہ کہا تھا

اور میں کہوں گی کہ: ساحر سے ذرا کم ہی ملو گے، یہ کہا تھا......

......☆......

[روزنامہ ''صدائے بھوپال'' انڈیا۔ 17 ستمبر 2020ء]

حسنین ساحر کی ایک غــزل

فریدہ انجم (پٹنہ سٹی۔انڈیا)

کوئی بھی صنف ہو خواہ نثر یا نظم روایت پرستی اور روایت سے انحراف دونوں رویے شانہ بہ شانہ چلتے رہے ہیں۔ ان ہی تجربوں کے پیش نظر دیگر زبانوں کی اصناف کو اُردو کے قالب میں ڈھالا گیا جو کافی حد تک کامیاب بھی رہا۔ اس تجربے کی روشنی میں بعض جیالوں نے نت نئی کوششوں سے اپنے فن میں نکھار لانے کے لیے پیش قدمی کی۔ اس دوران میں کئی شعرا سامنے آئے جن میں ایک نام ''فصیلِ جاں'' کے شاعر حسنین ساحر کا بھی ہے۔ ان کی کچھ غزلیات چونکا دینے والی ہیں۔ جب کہ بعض غزلیات یک گونہ خوشی سے سرشار بھی کرتی ہیں۔ ان میں مترادف اور متضاد الفاظ کا خوبصورت امتزاج دل موہ لینے والا ہے۔ گو کہ شاعر نے صنعت تضاد کو برتنے کی خوب کوشش کی ہے لیکن میری دانست میں وہ کہیں کامیاب بھی ہیں اور کہیں ناکام بھی۔ مثلاً ان کی ایک غزل ملاحظہ ہو جس میں انھوں نے حرف ''ت'' کو نبھاتے ہوئے عجیب غنائی آہنگ پیدا کر دیا ہے۔ لیکن، ایسا لگتا ہے کہیں کہیں زبردستی الفاظ بھی جڑنے کی کوشش کی ہے۔ آیئے غزل کا اختصار کے ساتھ جائزہ لیتے ہیں:

عجب موسم محبت کے، کبھی وَصلت کبھی ہجرت
عجب جیون کہانی ہے، کبھی عسرت کبھی نصرت

سچ کہا محبت میں ایسا ہی ہوتا ہے اور اس کی دنیا کی خوبصورتی پنہاں ہے۔ مطلع برائے مطلع ہے، لیکن وصلت کا لفظ چونکا دیتا ہے۔ قدیم شاعری میں یہ لفظ ملتا ہے مگر جدید شعرا استعمال نہیں کرتے ہیں۔ اس لیے ''ت'' کو ہٹا کر سادہ سا لفظ ''وصل''، سخن کے حسن

میں اضافہ کر رہا ہے مگر وصلت کہنا شاعر کی مجبوری لگ رہی ہے۔ پھر اگر وصلت کہا ہے تو اس کے مقابلے میں ہجرت کے بجائے فرقت کہنا زیادہ مناسب تھا۔ مطلع کے دوسرے مصرعے میں جیون کہانی میں جیون کے بعد ''کی'' کی کمی کھٹک رہی ہے۔ عسرت کا صنعت تضاد نصرت نہیں، بلکہ عشرت ہے اور یہی ہونا چاہیے تھا۔ وصلت، ہجرت، عسرت اور نصرت میں اگر چہ صنعت تضاد نام نہیں ہے لیکن پڑھنے میں مزہ دے رہا ہے:

میری دنیا میں کتنے رنگ ہیں اے دل ! کمی کیا ہے؟
عجب رونق کا عالم ہے کبھی جلوت کبھی خلوت

اے دل! یہ دل کوئی اور نہیں بلکہ محبوب ہے، حالاں کہ محبوب کو سب معلوم ہے لیکن تجاہلِ عارفانہ اختیار کر کے سوال بھی کر رہا ہے۔ میری دنیا کتنی رنگین ہے اس رنگینی کی وجہ سے جلوت وخلوت میں ہر وقت رونق رہتی ہے۔ تجاہلِ عارفانہ نے شعر کے حسن کو بڑھا دیا ہے:

جہانِ رنگ بو، حسنِ ادا، رنگینیٔ عالم
عجب جلوہ نمائی ہے کبھی زینت کبھی ندرت

اچھا شعر ہے مگر تھوڑی سی توجہ سے یہ اور اچھا ہو سکتا تھا۔

محبت اک ضرورت ہے مگر بس میں نہیں ہوتی
عجب ناز و ادا اس کے کبھی چاہت کبھی نفرت

ایک سچائی کا اظہار ہے خواہ حیوانِ ناطق ہوں یا غیر ناطق، سب کو محبت کی ضرورت ہوتی ہے۔ صنعتِ تضاد اس شعر میں بہترین استعمال ہوا ہے:

وفا تو عشق مذہب میں بنائے عشق ہوتی ہے
عجب اس کی طریقت ہے کبھی عادت کبھی خصلت

مصرع اولیٰ میں عشق مذہب میں ''کے'' کی کمی ہے۔ شاید آج کل ایک نئ

روایت چل پڑی ہے جو اضافت کو گرا دیتے ہیں، حسنین ساحر نے بھی اسی کے پیشِ نظر روش اختیار کی ہے جو بہر حال قابل غور ہے۔ مفہوم واضح ہے، بے شک مذہبِ عشق میں وفا ہی عشق کی مضبوط بنیاد ہوتی ہے۔

مصرع ثانی میں عادت اور خصلت ہم معنی ہیں۔ یہاں صنعت تضاد سے بغاوت ہے، پھر دونوں مصرعوں میں کوئی مطابقت نہیں ہے تاہم مصرع اولیٰ اچھا ہے اس شعر میں تعقید بھی ہے اور دولخت بھی۔

بہر حال، یہ بات بھی حقیقت ہے کہ شعر اپنے قاری پر اس کی جمالیات اور ذوق کے مطابق منکشف ہوتا ہے۔ جس طرح تخلیق کار اپنے ذوقِ سلیم کے تحت شعر کہتا ہے، بالکل اسی طرح قاری کے ذوقِ سلیم کے مطابق اس پر شعر کا انکشاف ہوتا ہے۔ اور یہی اصول نقاد پر بھی لاگو ہوتا ہے۔ اس لیے کسی بھی نقاد یا قاری کے رائے کو حتمی تصور نہیں کیا جا سکتا۔

مجھے قوی امید ہے کہ ادب نواز حلقوں میں اس ذیشان مجموئے کا کھلے دل سے استقبال کیا جائے گا۔

......☆......

[روز نامہ ''اودھ نامہ'' لکھنؤ، انڈیا۔ 4 دسمبر 2020ء]

حصہ دوم

حسنین ساحر بطور محقق و مدوّن

محمد وقار واقد

دستاویزی تاریخ میں متن کی تدوین کا کام نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ کسی کتاب کو ترتیب دینا، متن یا مخطوطہ کی تلاش کے بعد اسے مرتب کرنا اور کسی کتاب کے پرانے ایڈیشن کو حواشی کے ساتھ نئی صورت عطا کرنا متن کی تدوین میں شامل ہے۔ متن کی تدوین دِقت طلب کام ہے۔ تدوین کرنا ہر ایک کے بس میں نہیں ہوتا۔ اس کے لیے ایک خاص قسم کے رویے اور طرزِ عمل کے ساتھ ساتھ عملی طور پر فعال ہونا بھی ضروری ہے۔ ڈاکٹر گیان چند کے مطابق تحقیق اور تدوین دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں۔ دونوں کی حدود ایک دوسرے میں پیوست ہیں۔ اسی طرح تحقیق اور تدوین کے ساتھ تنقید بھی لازمی امر ہے۔ تحقیق کھوج لگاتی ہے اور فن پاروں کی اصلیت سے آگاہی فراہم کرتی ہے جب کہ ان فن پاروں کی اصلیت کو مدنظر رکھتے ہوئے ترتیب دینا اور انھیں شائع کرنا تدوین کا کام ہوتا ہے؛ اور تنقید میں معائب وخصائص سے بحث کی جاتی ہے۔

تدوین کا کام ایک عمیق بیں محقق ہی کرسکتا ہے۔ اس ضمن میں حسنین ساحر نے بہت ہی کم عرصے میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا ہے۔ ان کا سوانحی حوالہ یہ ہے وہ درس و تدریس سے وابستہ ہیں۔ ان کا مزید تعارف قمر زمان کی کے ایک مضمون سے اقتباس کی صورت میں پیش ہے:

> ”حسنین ساحر ایک صلاحیتوں سے بھرپور نوجوان ہیں۔ وہ
> پنجابی اور اُردو زبانوں میں خوب صورت شاعری کرتے ہیں۔
> وہ ایک تحقیق کار ہیں۔ ریڈیو پر بھی اپنی آواز کا جادو جگاتے

رہتے ہیں۔اس کے علاوہ مختلف ادبی موضوعات پر ان کے علمی
و ادبی مضامین اخبارات و رسائل کی زینت بنتے رہتے ہیں۔
یوں ہم انھیں ایک متحرک نوجوان کے طور پر دیکھتے ہیں جو ہمہ
وقت کسی نہ کسی علمی و ادبی مشغلے میں مصروف رہتے ہیں۔ان
کے معمولات اور رجحانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مستقبل میں
کئی اہم علمی وادبی کارنامے سرانجام دیں گے''۔

حسنین ساحر کا بنیادی ادبی حوالہ ''تحقیق وتدوین'' ہے لیکن اُنھیں غزلیہ مجموعے ''فصیلِ جاں'' کی نسبت سے بطور شاعر شہرت حاصل ہوئی۔حسنین ساحر کی غزل گوئی کے حوالے سے راقم (محمد وقار واقد) نے ایم اے اُردو واقبالیات کے لیے تحقیقی مقالہ بھی تحریر کیا ہے جسے ''حسنین ساحر کی غزل گوئی'' کے نام سے ساربان پبلی کیشنز، لاہور نے کتابی صورت میں 2021ء میں شائع کیا۔اس کے علاوہ متعدد اہلِ نقد ونظر ان کی شاعری پر تنقیدی نقطۂ نظر سے قلم فرسائی کر چکے ہیں۔بہر حال، اس تحریر کا موضوع ان کی ''تحقیق و تدوین'' ہے۔

2017ء میں حسنین ساحر کی پہلی کتاب ''سی حرفیاں میاں سَید محمد چشتی (تحقیق و تدوین)'' کے نام سے بزمِ تخلیق وتحقیق نے شائع کی۔اس کتاب میں سلسلۂ چشتیہ کے صوفی بزرگ میاں سید محمد چشتی کی غیر مطبوعہ پنجابی سی حرفیوں کی تدوین کی گئی ہے۔یہ سی حرفیاں میاں سید محمد چشتی کی وفات کے تقریباً ایک سو دس سال بعد منظرِ عام پر آئیں۔اس کتاب میں ساٹھ صفحات پر مشتمل مفصل مقدمہ شامل ہے جو حسنین ساحر کی تحقیقی وتنقیدی صلاحیتوں کا منھ بولتا ثبوت ہے۔اس کتاب کے حوالے سے پروفیسر شوکت محمود شوکت اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

''میاں سید محمد چشتی کا نام اور کلام قعرِ گمنامی ہی میں پڑا رہتا اگر

دورِ حاضر کے ایک نوجوان محقق، نثار اور شاعر، حسنین ساحر، آپ
کی ان سی حرفیوں کو کتابی صورت میں مرتب نہ کرتے۔ دراصل،
حسنین ساحر، میاں سید محمد چشتی کے پوتے میاں محمد شفیع اختر
ڈھانگروی کی بیاضوں کی ترتیب و تدوین کر رہے تھے جو ان
کے ایم فل کا مقالہ تھا، انھی بیاضوں میں میاں سید محمد چشتی کی سی
حرفیوں کو بھی کہیں کہیں رقم کیا گیا تھا۔ حسنین ساحر کی توجہ ان سی
حرفیوں کی طرف پہلی بار پروفیسر ڈاکٹر عبداللہ جان عابد نے
مبذول کرائی۔ بعد ازاں، حسنین ساحر کے ایم فل مقالے کی
نگران پروفیسر ڈاکٹر نبیلہ رحمن نے ان سی حرفیوں کو مرتب کرنے
کا کہا۔ حسنین ساحر نے بڑی محنت، لگن، جاں فشانی، عمیق بینی اور
تحقیق و تدوین کے تمام اصول و قواعد کو مدنظر رکھتے ہوئے ان سی
حرفیوں کو، کسی صلے اور ستائش کی پروا کیے بغیر مدون کر کے حقیقتاً
قابلِ داد اور قابلِ ذکر کام کیا ہے''۔

مندرجہ بالا اقتباس سے اس کتاب کی اشاعت کا پس منظر واضح ہو جاتا ہے۔ یہ کتاب علمی ادبی حلقوں میں بہت سراہی گئی۔ زیادہ قابلِ تحسین بات یہ ہے کہ اس کتاب کی تقدیم و تدوین، تحقیقی اصولوں کو مدنظر رکھ کر کی گئی ہے۔ محمد سخی خان اس کتاب کے حوالے سے حسنین ساحر کی فنی مشاقی پر تبصرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''حسنین ساحر نے ''سی حرفیاں میاں سید محمد چشتی'' میں تدوین و
تحقیق کا ایک ایسا معیار مقرر کر دیا ہے جو بعد میں آنے والے
محققین کے لیے مشعلِ راہ ہوگا۔ ایک دیانت دار محقق کے طور
پر تحقیق کا کوئی پہلو قیاس آرائیوں کے دھندلکے میں مبہم نہیں

رکھا۔ بلکہ اپنی ہر بات کو دلیل اور حوالہ دے کر واضح طور پر درج
کیا ہے۔ انھوں نے میاں سید محمد چشتی کے کلام کا فنی و فکری
جائزہ بھی غیر جانبدارانہ اور عالمانہ طریقے سے کیا ہے''۔

اس کتاب پر حسنین ساحر کو بزم مولا شاہ، لاہور کی طرف سے ''مولا شاہ ایوارڈ۔2017ء'' سے نوازا گیا ہے۔

''مدنی نگری پیا براجے'' کی اشاعت 2020ء میں بزمِ تخلیق و تحقیق کے زیرِ اہتمام ہوئی۔ کتاب میں میاں محمد شفیع اختر ڈھانگروی (1909ء۔1990ء) کی غیر مطبوعہ پنجابی نعتوں کی تدوین کی گئی ہے۔ حسنین ساحر نے اس کتاب میں بھی تحقیق وتدوین کا اپنا مخصوص معیار برقرار رکھا ہے۔ اس کتاب کے ذریعے پہلی بار میاں محمد شفیع اختر ڈھانگروی کا کلام سامنے آیا ہے۔ اس کتاب پر حسنین ساحر کو مہکاں پنجابی ادبی بورڈ کی طرف سے تحقیق و تنقید کے زمرے میں ''مہکاں ادبی ایوارڈ برائے سال 2020ء'' سے نوازا گیا۔ کتاب کے حوالے سے محمد فاروق فضل حیدر لکھتے ہیں:

''ہر سعادت کسی نہ کسی عمل کا پیش خیمہ ہوتی ہے اور حسنین ساحر کو
بھی یہ سعادت صرف اور صرف میاں محمد شفیع اختر ڈھانگروی
سے بے لوث عقیدت کی بنا پر نصیب ہوئی کیوں کہ اس نعتیہ
مجموعہ کی تدوین سے قبل حسنین ساحر نے میاں صاحبؒ مذکور کی
''سی حرفیوں'' پر اپنے ایم فل کا مقالہ لکھا تھا۔ جسے ادبی حلقوں
میں نہ صرف پذیرائی ملی بلکہ حسنین ساحر کے انھی تدوینی و تحقیقی
اصولوں پر ایک مقالہ بھی لکھوایا گیا''۔

تحقیق وتدوین کے ضمن میں حسنین ساحر کی تیسری کتاب، 2021ء میں ''پریم دُوارے مَست نظارے'' کے نام سے بزمِ تخلیق و تحقیق، اسلام آباد نے شائع کی۔ اس

کتاب میں اُردو، پنجابی اور فارسی کے صوفی شاعر حافظ نذر حسین شاد فاروقی (2017ء۔1928ء) کی پنجابی کافیوں کی تدوین کی گئی ہے۔حسنین ساحر نے اس کتاب کا مفصل تحقیقی مقدمہ تحریر کیا ہے۔تقریباً سو صفحات پر مشتمل مقدمے میں شاد فاروقی کے احوال وآثار اوران کی کافی گوئی کے ساتھ ساتھ کافی کے چند اہم مباحث کا مطالعہ بھی پیش کیا گیا ہے۔شاد فاروقی،معروف صوفی شاعر مولانا الحافظ محمد عبدالمجید کے صاحبزادے ہیں۔شاد فاروقی کی یہ پنجابی کافیاں بلاشبہ پنجابی کافی کی روایت میں ایک گراں قدر اضافہ ہیں۔حسنین ساحر نے اس کتاب کا مقدمہ پنجابی میں تحریر کیا ہے۔

''سی حرفیاں میاں محمد شفیع اختر ڈھانگروی: تحقیق وتدوین'' حسنین ساحر کا ایم فل کے لیے تحریر کیا گیا تحقیقی مقالہ ہے۔اس میں میاں محمد شفیع اختر ڈھانگروی کی ستائیس سی حرفیوں کی تدوین کے علاوہ ایک مفصل مقدمہ تحریر کیا گیا ہے۔اس مقدمے میں میاں محمد شفیع اختر ڈھانگروی کی حیات اور شخصیت کے علاوہ ان کی سی حرفیوں کا فکری اور فنی؛ دونوں حوالوں سے بھرپور مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔صدر شعبہ پنجابی، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، پروفیسر ڈاکٹر نبیلہ رحمن اس مقالے کی نگران تھیں۔

مذکورہ بالا کتب کے علاوہ حسنین ساحر نے دو مزید کتابوں کی ترتیب وتدوین کی ہے جس میں ایک کتاب ''وادیٔ چھتر کرلوٹ'' ہے جس کے مصنف شاکر اعوان ہیں۔یہ کتاب 2016ء میں رومیل ہاؤس آف پبلی کیشنز، راولپنڈی نے شائع کی۔یہ کتاب اسلام آباد اور مری کے سنگم پر واقع خوب صورت علاقے چھتر کرلوٹ کی تاریخ اور تذکروں پر مشتمل ہے۔شاکر اعوان اپنی اس کتاب کی اشاعت کو حسنین ساحر کی طرف سے دی گئی ترغیب اور ہمت افزائی کا نتیجہ قرار دیتے ہیں:

> ''باقی لوگوں کا تو نام نہیں لوں گا، لیکن میں اور ڈاکٹر شکیل کاسیروی اس بات کا اکثر اظہار کرتے ہیں کہ ہماری تحریروں کو

کتابی صورت میں اشاعت آشنا کرنے میں حسنین ساحر نے
بہت اہم کردار ادا کیا۔ کیوں کہ حسنین ساحر بہت اچھے ترغیب
کار ہیں۔ انھیں ترغیب دینا اور ہمت افزائی کر کے کام کروانا
آتا ہے۔۔۔۔ حسنین ساحر قلم اور کتاب سے رشتہ جوڑنے کی
ترغیب دیتے ہیں۔ قلم اور کتاب سے محبت انھیں اپنے والد
''ملک شبیر حسین'' سے وراثت میں ملی ہے۔۔۔۔ مختلف
ناقدین ادب ان کی تخلیقی صلاحیتوں کو موضوعِ بحث بنا رہے
ہیں۔ بہت کم عمری میں انھوں نے وہ مقام حاصل کرلیا ہے جس
کی خواہش میں لوگوں کی عمریں نکل جاتی ہیں''۔

ڈاکٹر شکیل کاسیروی کی کتاب ''دیدۂ دل'' کی ترتیب وتدوین بھی حسنین ساحر نے کی۔ یہ کتاب بزمِ تخلیق وتحقیق نے 2018ء میں شائع کی۔ اس کتاب میں ڈاکٹر شکیل کاسیروی کے اخباری کالموں کے علاوہ دیگر مضامین اور یادداشتوں کو شامل کیا گیا ہے۔ ''دیدۂ دل'' میں ڈاکٹر شکیل کاسیروی نے سماجی اور معاشرتی مسائل اور معاملات کی نشاندہی کی ہے۔ بحیثیتِ مجموعی یہ ایک اصلاحی نوعیت کی کتاب ہے۔ اس کتاب کی ترتیب و اشاعت کے حوالے سے حسنین ساحر کے کردار پر ڈاکٹر شکیل کاسیروی نے تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ ڈاکٹر شکیل کاسیروی کے یہ الفاظ حسنین ساحر کی محنت ولگن کی بھرپور عکاسی کرتے ہیں:

''حسنین ساحر نے حقیقی معنوں میں میری تحریروں کے ساتھ
ساتھ میرے اندر کے انسان کو بھی دریافت کیا ہے۔ میں اپنے
جذبوں کو الفاظ کا روپ نہیں دے سکتا۔ لیکن اتنا کہوں گا کہ جیسے
ایک باپ اولاد پیدا کرتا ہے اور کوئی مہربان اسے باپ سے
بڑھ کر پالتا ہے۔ حسنین ساحر نے میری تخلیقات کو پالا پوسا،

گبھرو جوان بنایا ہے اور سب کے سامنے لایا ہے''۔

حسنین ساحر کی مذکورہ بالا کتب زبان و ادب کے حوالے سے بہت اہمیت کی حامل ہیں۔ تدوین دراصل تحقیق سے آگے کی منزل ہے۔ یہ مشکل اور صلاحیت آزما کام اُنھی کے بس کی بات ہے جو تحقیق کے اصولوں اور طریق کار سے اچھی طرح واقفیت رکھتے ہیں۔ ''حسنین ساحر'' ایک عمیق بیں اور محنتی محقق ہیں۔ اب تک انھوں نے اس مشکل اور صبر آزما کام کو بخوبی نبھایا ہے۔ اس طرح کے تحقیقی کام جہاد کی سی حیثیت رکھتے ہیں کیوں کہ یہ وہ کام ہیں جن سے براہِ راست محقق یا مدوّن کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ رشید حسن خاں نے شاید اسی لیے کہا تھا:

> ''تحقیق کو قبولِ عام سے دور کی نسبت ہے۔ یہ توقع کرنا کہ تحقیقی تحریروں کو سب لوگ یا اکثر لوگ پسند کریں گے، تحقیق سے ناواقفیت کا اعلان کرنا ہے اور پست معیاری کو دعوت دینا ہے۔ تحقیق عام پسند چیز نہیں ہوسکتی، اُسی طرح جس طرح وہ آسانی کے ساتھ نہیں ہوسکتی''۔

جب تک گمنامی کی دُھول میں دبی ہوئی تخلیقات منظرِ عام پر نہیں آجاتیں، اُس وقت تک زبان و ادب کی تاریخ نامکمل کہلائے گی۔ حسنین ساحر کی اس گراں قدر کاوش کے ذریعے پاکستانی زبانوں کے ادبی منظرنامے پر نہ صرف نئے ناموں کا اضافہ ہو رہا ہے بلکہ اس کے ذریعے تحقیق کی نئی راہیں بھی کھل رہی ہیں۔

......☆......

[بہاول نگر، 12 دسمبر 2022ء]

سی حرفیاں میاں سید محمد چشتی اور حسنین ساحر

ڈاکٹر شوکت محمود شوکت

سی حرفی پنجابی زبان کی ایک قدیم صوفیانہ صنفِ سخن ہے جس میں ''الف'' سے لے کر ''ی'' تک، قافیہ وار مصرعے یا بند لکھے جاتے ہیں۔ عموماً اس کے ہر بند میں چار مصرعے ہوتے ہیں مگر، بند میں مصرعوں کی تعداد کم یا زیادہ بھی ہو سکتی ہے۔ یہ دو الفاظ ''سی'' اور ''حرفی'' کا مرکب ہے۔ ''سی'' فارسی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ''تیس (30)'' کے ہیں جب کہ ''حرف'' عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی، کنارہ، طرف، دھار یا پہاڑ کی چوٹی کے ہیں اور اصطلاح میں حرف اس نشان کو کہتے ہیں جو آواز کو ظاہر کرے یا وہ کلمہ جس کے معنی دوسرے لفظ کے بغیر سمجھ میں نہ آئیں۔ اسی حرف سے اسمِ صفت ''حرفی'' بنتا ہے جس کے معنی، حرف کے متعلق یا حرف کی خاصیت والا کے ہیں۔ اگر اصولی طور پر دیکھا جائے تو ''سی حرفی'' یا تو فارسی زبان کے کسی صنفِ سخن کو کہنا چاہیے تھا یا عربی زبان کے کسی صنفِ سخن کو۔ مگر، پنجابی زبان نے اس صنفِ سخن کو وہ شہرت بخشی کہ آج ''سی حرفی'' جیسے فارسی اور عربی کے الفاظ بھی پنجابی زبان ہی کے معلوم ہوتے ہیں۔

ابتدا میں بابا گرو نانک نے سی حرفی کو پینتیس اکھری، جب کہ گورو ارجن اور بھگت کبیر نے اس صنفِ سخن کو باون اکھری کے طور پر لکھا۔ یہی وجہ ہے کہ موہن سنگھ، بابا گورو نانک کو سی حرفی کا پہلا شاعر قرار دیتے ہیں۔ مگر، پروفیسر مقبول بیگ بدخشانی ان کی اس بات سے اتفاق نہیں کرتے۔ وہ نہ صرف حضرت سلطان باہوؒ کو سی حرفی کا پہلا شاعر گردانتے ہیں بلکہ ان کا کہنا ہے حضرت سلطان باہوؒ سے پہلے سی حرفی کا کوئی وجود نہیں تھا۔ اگرچہ، عہدِ گزشتہ میں سی حرفی لکھنے والے شعرا کی تعداد کافی نظر آتی ہے۔ جن میں سے، حضرت سلطان

باہوؒ، علی حیدر، بلھے شاہؒ، وارث شاہؒ، سائیں مولا شاہ اور حفیظ تائب کے اسما قابلِ ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ نور محمد چشتی اور حیدر علی ذاکر نے بھی سی حرفیاں لکھنے میں خاصی شہرت کمائی ہے۔ مگر، دورِ حاضر میں سی حرفی لکھنے کا رواج تقریباً ختم ہو چکا ہے اس لیے محققین، ناقدین اور معتقدینِ فن اپنے ذوق کی تسکین کی خاطر، بحرِ عہدِ گزشتہ میں غوطہ زن ہو کر ایسے انمول رتن تلاشتے ہیں جو سی حرفی کے فن میں طاق اور مشاق ہوتے ہیں۔ انھی انمول رتنوں میں ایک دُرِ ثمین اور انمول رتن کا نام میاں سید محمد چشتی ہے۔ میاں سید محمد چشتی 1827ء کو بھیٹ (ڈھانگری مرزا) ضلع جہلم میں پیدا ہوئے۔ آپ ایک درویش صفت اور صوفی انسان تھے۔ مقامی روایات کے مطابق، چوں کہ، آپ ناخواندہ تھے، لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے اس لیے آپ کا زیادہ تر کلام (سی حرفیاں) آپ کے برادرزادے میاں محمد طیب نے قلم بند کیا مگر، آپ کے برادرزادے کا لکھا ہوا نسخہ بھی تا حال دستیاب نہیں ہو سکا۔ کیوں کہ آپ کے پوتے میاں محمد شفیع اختر ڈھانگروی کے بہ قول یہ نسخہ 1930ء میں ضائع ہو گیا تھا۔ اس نسخے کے کچھ صفحات میاں محمد شفیع کو انتہائی خستہ اور ضعیف حالت میں ملے جن کو انھوں نے اپنے قلمی نسخے ''ارمغان چشتی'' میں ''کنجِ سید محمد چشتی'' کے نام سے شامل کر دیا۔

جہاں تک میاں سید محمد چشتی کی سی حرفیوں میں بیان کیے گئے مضامین اور موضوعات کے تنوع کا تعلق ہے تو ان کو پڑھنے کے بعد حیرت ہوتی ہے کہ کہ یہ شخص کسی طرح بھی ناخواندہ نہیں لگتا۔ ان مضامین و موضوعات میں مدحِ ربِ ذوالجلال اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ تصوف کی لطیف اصطلاحات، وحدت الوجود (ہمہ اوست)، وحدت الشہود (ہمہ از اوست)، اذکار و اوراد، مناجات و تسبیحات، ہجر و فراق، دنیا کی بے ثباتی اور فکرِ آخرت وغیرہ نہایت اہم اور قابلِ غور مضامین و موضوعات ہیں۔ فنی اعتبار سے بھی میاں سید محمد چشتی کے کلام میں کوئی عیب یا جھول نہیں پایا جاتا۔ اسلوب سادہ مگر دل کش و دل نشین ہے۔ چوں کہ آپ کا تعلق ضلع جہلم سے تھا اس لیے، آپ کی پنجابی پر پوٹھوہاری

زبان کے اثرات بھی پائے جاتے ہیں۔ ہیئت، بحر اور وزن کے حوالے سے بھی آپ کے کلام میں کوئی نقص نہیں پایا جاتا۔ البتہ، آپ نے زیادہ تر اپنے کلام میں اپنے لیے مؤنث کا صیغہ استعمال کیا ہے۔ شاید، اس کی وجہ یہ ہے کہ زیادہ تر صوفی شعرا نے شاعری میں اپنے لیے مؤنث کا صیغہ استعمال کیا ہے اس لیے آپ نے بھی (شاید) ان صوفی شعرا کی پیروی کی ہے یا شاید پھر، خود کو جنسِ نازک تصور کر کے، اپنے مرشد یا ذاتِ واحد سے عشق وعقیدت مقصود ہے اور عجز وانکسار کی انتہا مطلوب ہے۔ نیز، کلام میں تلمیحات وتشبیہات کا استعمال بھی خوب ہے۔

میاں سید محمد چشتی کا نام اور کلام قعرِ گم نامی ہی میں پڑا رہتا اگر دورِ حاضر کے ایک نوجوان محقق، نثار اور شاعر حسنین ساحر، آپ کی ان سی حرفیوں کو کتابی صورت میں مرتب نہ کرتے۔ دراصل، حسنین ساحر، میاں سید محمد چشتی کے پوتے میاں محمد شفیع اختر ڈھانگروی کی بیاضوں کی ترتیب وتدوین کر رہے تھے جو ان کے ایم فل کا مقالہ تھا، انھی بیاضوں میں میاں سید محمد چشتی کی سی حرفیوں کو بھی میاں محمد شفیع اختر ڈھانگروی نے کہیں کہیں رقم کیا تھا۔ حسنین ساحر کی توجہ ان سی حرفیوں کی طرف پہلی بار صدرِ شعبہ پاکستانی زبانیں، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، پروفیسر ڈاکٹر عبداللہ جان عابد نے مبذول کرائی۔ بعد ازاں، حسنین ساحر کے ایم فل مقالے کی نگران محترمہ پروفیسر ڈاکٹر نبیلہ رحمن نے حسنین ساحر کو ان سی حرفیوں کو مرتب کرنے کا کہا۔ حسنین ساحر نے بڑی محنت، لگن، جاں فشانی، عمیق بینی اور تحقیق وتدوین کے تمام اصول وقواعد کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ان سی حرفیوں کو ''سی حرفیاں میاں سید محمد چشتی (تحقیق وتدوین)'' کے سرنامے کے تحت، کسی صلے اور ستائش کی پروا کیے بغیر مدون کر کے حقیقتاً قابلِ داد اور قابلِ ذکر کام کیا ہے۔ جس کے لیے وہ بجا طور پر مبارک باد کے مستحق ہیں۔

......☆......

[روزنامہ ''نوائے وقت'' (ادبی صفحہ)، اسلام آباد، 13 ستمبر 2017ء]

سی حرفیاں میاں سید محمد چشتی اور حسنین ساحر: ایک نسبتِ روحانی

محمد فاروق فضل حیدر

اپنی معروضات کا آغاز حسنین ساحر کی تحقیق و تدوین کردہ کتاب ''سی حرفیاں میاں سید محمد چشتی'' میں کیے گئے اس اعتراف سے کروں گا، جس میں وہ لکھتے ہیں:

> ''زیرِ نظر کتاب کا مکمل کریڈٹ تین محترم ہستیوں کو جاتا ہے، میاں محمد شفیع اختر ڈھانگروی (نبیرہ میاں سید محمد چشتی) جنھوں نے میاں سید محمد چشتی کے کلام کو اپنی قلمی بیاض ''ارمغانِ چشتی'' میں محفوظ کیا۔ جناب محمد ثقلین ضیغم، جن کی بدولت یہ کلام مجھ تک پہنچا اور میاں عبدالرشید (خلفِ رشید میاں محمد شفیع اختر ڈھانگروی) جنھوں نے فیاضی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہر طرح کا تعاون روا رکھا اور اپنے والد کے تمام قلمی نسخے عنایت فرمائے جنھیں بروئے کار لا کر اس کتاب کی تکمیل ممکن ہوئی''۔

یہ تسلسل ایک خاص حکمت الٰہی کا پیشِ خیمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے ذریعے کبھی کبھی لوگوں کو دنیاوی نعمتوں سے مالا مال کر کے شہرت و حکومت بھی عطا کرتا ہے۔ لیکن ان میں سے اکثریت غرور اور تکبر میں اسی خدا کو بھول جاتے ہیں جس نے انھیں یہ سب عطا کیا ہوتا ہے۔ پھر ایک وقت آتا ہے کہ خداوند کریم سب کچھ فنا کر کے انھیں نشانِ عبرت بنا دیتا ہے۔ اس کے برعکس کچھ ایسے خوش قسمت لوگ ہوتے ہیں کہ ان کی نظر میں مال و دولتِ دنیا کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ ان کی طلب فقط محبوب کا درشن اور اس تک

رسائی ہوتی ہے۔ وہ اس دنیا میں گمنامی کی زندگی گزار دیتے ہیں لیکن ان کا مقام و مرتبہ ایسا کہ اگر کسی چیز کے بارے میں اللہ سے قسم کھالیں تو خدا وہی کر دیتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کو حضرت اویس کے پاس بھیجا تھا۔ جب یہ دونوں حضرات وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ لوگ حضرت اویسؓ کو ایک مجذوب اور مجنون کی حیثیت سے جانتے اور پہچانتے تھے۔ کوئی یہ نہیں جانتا تھا کہ اس بابے سے رحمان کی خوشبو آتی ہے۔ اور صحابہ کے بعد ان کے مقام و مرتبے تک کوئی پہنچا، نہ پہنچے گا۔

راہِ عشق پہ چلنے والے سوز و گداز میں اس قدر مست و بیخود اور مکیف ہوتے ہیں کہ ان کا دھیان کسی اور طرف راغب نہیں ہوتا۔ دنیا دار لوگ انہیں پاگل، دیوانہ اور مجنون ہی سمجھتے ہیں لیکن جس ذات کی خاطر وہ سب کچھ بھلا کر فنا ہو جاتے ہیں وہ ذات ان کے حال سے کبھی بھی بے خبر نہیں ہوتی ۔ ہمیشہ اپنا سایۂ رحمت ان پہ کیا ہوتا ہے اور پھر وقتِ مقررہ پر ان کا نام دوبارہ زندہ کر دیا جاتا ہے اور اسی کو حیاتِ جاودانی کہتے ہیں۔

اسی طرح کے مقام و مرتبہ کی حامل ہستیوں میں سے ایک، جناب میاں سید محمد چشتی بھی ہیں۔ آپ کی پیدائش بھیٹ، ڈھانگری مرزا ضلع جہلم میں ۱۸۲۵ء اور ۱۸۳۰ء کے درمیان میں ہوئی اور آپ کا وصال ۱۹۰۷ء میں ہوا۔ آپ کی بیعت پیر سیال لجپالؒ کے اخص الخواص خلیفہ پیر سید غلام حیدر علی شاہ بادشاہ جلالپوری رحمۃ اللہ علیہ سے تھی۔ جن کی نگاہِ کرم سے ہزاروں نہیں لاکھوں لوگوں نے فیض حاصل کیا۔ پیر حیدر شاہؒ کی بیعت چونکہ سلسلۂ چشت میں تھی اسی لیے میاں سید محمد چشتی نے اپنے نام کے ساتھ لفظ 'چشتی' کا اضافہ بھی اپنے پیر و مرشد سے عقیدت و محبت کی وجہ سے کرلیا۔ اور یہ محبت و عقیدت کسی دنیاوی غرض و غایت یا منفعت کے لیے نہیں تھی بلکہ وہ اس حقیقت کو سمجھتے تھے کہ

صحبتِ مرشد میں رہ چوں برگ ہے ہمراہ قند
فیضِ محبت کب ملے، جب تک نہ ملیے ٹوٹ ٹوٹ

محبوب جب تخیل وتصور کا محور بن جاتا ہے تو پھر خود بخود دل سے ایسی آوازیں نکل کر زبان پر آجاتی ہیں کہ

ل۔ لوڑ نہ دولتاں دنیا دی، بہتا سوہنیاں دا دیدار مینوں
جلوے جگت والے سبھے جان فانی، جلوہ ازلی اک درکار مینوں
پھاتا وچ منجدھار دے میں مرشد پھڑو ہتھ تے لاؤ چا پار مینوں
منزل سیدنؔا دور نہ رہی میری ہکو دید دی راہ دشوار مینوں

....

ز۔ زور نہ چلدے دوتیاں دے جتھے پیر میرا مہربان ہووے
توڑے لکھ بخیلیاں کرن یارو، رتی اس دا نہ نقصان ہووے
جو کوئی پیر دا اسم پکاوندا ای، اوہ بھی وچ میدان جوان ہووے
جس تے مہر تے کرم دی نظر پاون، سیدنؔ اس تے وڈا احسان ہووے

پھر ان کی یہ عقیدت عشق کا روپ دھار لیتی ہے اور ہر سالک کی طرح انہیں بھی نہ جانے کیا کیا مشکلات پیش آئی ہوں گی جس کی بنا پر وہ یہ کہتے ہیں:

ع۔ عشق دا ہاڑ دریا ڈونگھا، جتھے لکھ عاشق غوطے کھاوندے نی
اونہاں پار اُرار دی سار ناہیں، نہ کوئی کشتی ملاح بلاوندے نی
اوہ تاں ٹھل پئے بحر عمیق اندر مکھڑا یار دا تُلا بناوندے نی
کردے حرص ہوا نوں دور سیدنؔ شوق نبی رسول دا چاہوندے نی

....

ز۔ زہر پیالڑا عشق والا جس ساڑیا اس کوہ طور تائیں
اناالحق دا ورد پکاندیاں نوں، سولی چاڑھیا شاہ منصور تائیں
وحی لے براق شتاب پوہتا، نبی واریا بیت المعمور تائیں
کلمے پاک دا ورد کما سیدنؔ، جھڑا کھڑے گا توڑ حضور تائیں

اپنے مرشد کامل پیر حیدر علی شاہ بادشاہؒ سے سچے عشق، پکی لگن اور پیر و مرشد کے فیضانِ نظر نے میاں سید محمد چشتی کو بھی صاحبِ کرامت بنا دیا۔ عقل حیرت میں چلی جاتی ہے کہ اللہ کریم اپنے نیک بندوں کو کیسے کیسے مقام اور علمِ لدنی عطا فرماتا ہے کہ جس سے وہ مستقبل کی خبریں بھی دے دیتے ہیں۔ میاں سید محمد چشتی کی کرامت کا اندازہ ان کے اس شعر سے بخوبی ہو جاتا ہے:

م۔ موت نکھیڑدی دنیا توں، ایپر موت نہ نام نوں مار سکدی
بھاویں لکھے تے صدیاں دار ہووے اوہلا، آخر لکھت ہی نام نوں تار سکدی
لکھی گل دے وچ ہووے اثر تاں فیر، لکھی گل سڑے دلاں نوں ٹھار سکدی
بعد صدی دے سید تے فیر جیوناں، موت لکھیا نہیں کر بے کار سکدی

پہلے تین مصرعے مکمل اور چوتھے مصرعے کا آخری حصہ حقائق اور ممکنات میں سے ہے۔ یعنی ایسا کوئی بھی لکھے تو اس میں شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن وقت کا تعین کرتے ہوئے اس یقین کے ساتھ یہ کہہ دینا کہ ''بعد صدی دے سید تے فیر جیوناں'' ایک صاحبِ کرامت اور مردِ درویش ہی کے بس کی بات ہے۔ اور یہ مقام انہیں اپنے مرشدِ کامل سے پُرخلوص محبت و عقیدت کے سبب اور نسبت سے نصیب ہوا۔ ان کی یہ پیش گوئی تقریباً ۱۱۰ سال بعد پوری ہوئی اور ان کا کلام شائع ہو گیا جسے حلقۂ ادب میں بہت سراہا گیا اور صوفیانہ کلام میں ایک خوبصورت اضافہ تسلیم کیا گیا۔ صاحبانِ تحقیق و ادب نے میاں سید محمد چشتی کے کلام کو سراہنے کے ساتھ ساتھ حسنین ساحر کی کاوش کو بھی خراجِ تحسین پیش کیا۔ مجھے جس کراماتی بند نے یہ مضمون لکھنے پہ مجبور کیا وہ یہ ہے:

ن۔ نام نشان مٹ جاوندے نیں، پر ربّ میں تے انعام کرسی
میری آل وچوں کوئی مرد صالح، میرے شعر محفوظ تمام کرسی
اللہ اس نوں رحمتوں بہوں دیسی، نالے فقر دے اس تائیں دان کرسی

تعلق دار کوئی اس دی آل دا فیر، میری ذات تائیں احسان کرسی
دھن واد نے اس جوان تائیں، گمنام دا جگ وچ نام کرسی
سیدنؔ اس تائیں دلوں دعا کردا، اس دے نام نوں جگت سلام کرسی

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے حسنین ساحر یوں لکھتے ہیں:

''اس بند میں میاں سید محمد چشتی کی طرف سے اس قدر وضاحت کر دی گئی ہے کہ مزید تبصرہ کرنے کی گنجائش ہی نہیں۔ اس بند میں کی گئی پیش گوئی میں انہی کی آل کا ایک مردِ صالح، میاں محمد شفیع اختر ڈھانگروی کی صورت میں ہمارے سامنے ہے اور ان کی آل کا تعلق دار ہونے کا گمان راقم اپنی ذات کے حوالے سے کرسکتا ہے''۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ میاں محمد شفیع اختر ڈھانگروی ایک مردِ صالح اور فقیر آدمی تھے جس کی بابت میاں سید محمد چشتی نے متذکرہ بالا بند میں پیش گوئی کی ہے۔ لیکن یہ سعادت حسنین ساحر کو کس نسبت سے نصیب ہوئی؟ یہاں اسی بات کی وضاحت کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ یہ ''سی حرفیاں'' پنجابی صوفیانہ ادب میں خوبصورت اضافے کے ساتھ ساتھ اس حقیقت پہ بھی دلیل کی حیثیت رکھتی ہیں کہ مردِ کامل سے سچی عقیدت کبھی رائیگاں نہیں جاتی اور معتصم و معتقد کو فیوض و برکات سے نوازتی ہے۔

کئی محقق ایسے ہوگزرے ہیں جنہوں نے اپنی کسی بھی غرض کے سلسلے میں اسلام کا مطالعہ شروع کیا اور دورانِ مطالعہ وہ کئی چیزوں سے متاثر ہوتے رہے۔ ان کا متاثر ہونا اسلام کی سچائی کی وجہ سے تھا یا اسلام سے محبت کی وجہ سے، دونوں وجوہات کی بنا پر جنہوں نے دلی طور پر اسلامی اصولوں اور حقائق کا برملا اظہار کیا اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اسلام کے دروازے کھول دیے اور وہ راہِ ہدایت پر آ گئے۔ حسنین ساحر کو بھی یہ سعادت کچھ اسی

طریقے سے حاصل ہوئی جب انہوں نے ایم فل کے مقالے کی غرض سے ''سی حرفیاں محمد شفیع اختر ڈھانگروی: تحقیق وتدوین'' کا انتخاب کیا۔ لیکن یہ غرض کلام کی تدوین کے ساتھ ساتھ محبت میں شامل ہو کر عقیدت کا روپ دھار گئی۔ ایم فل کی ڈگری مل جانے کے بعد بغیر کسی لالچ اور مجبوری کے میاں سید محمد چشتی کے کلام کی تحقیق وتدوین کرنا سوائے عقیدت و محبت کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ پھر اسی عقیدت اور نسبت کے طفیل ایک مردِ درویش سے ''دھنواد'' کے حق دار ٹھہرے۔ اللہ کریم سے دعا ہے کہ مرحومین کے درجات میں بلندی اور حسنین ساحر کی زندگی میں مزید برکتیں عطا فرمائے۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

......☆......

[سہ ماہی ''دستک۔مری''۔ستمبر تا دسمبر 2017ء]

حسنین ساحر کی دریافت: ''سی حرفیاں میاں سید محمد چشتی''

ڈاکٹر محمد سخی خان

تحقیق کار اور مدون کے کام کی نوعیت ایسی ہے کہ وہ اپنا تخلیقی کام موقوف کر کے دوسروں کے ادبی کام کی تحقیق و تدوین میں لگ جاتا ہے۔ کچھ ایسی ہی صورتِ حال حسنین ساحر کی بھی ہے۔ حسنین ساحر بذاتِ خود ایک اچھے شاعر ہیں نیز ان کی نثری استعداد بھی مسلمہ ہے۔ لیکن گزشتہ کئی برسوں سے وہ ایسے پنجابی شعراء کی تلاش میں سرگرداں نظر آتے ہیں جو اس فانی دنیا سے کوچ کر چکے ہیں اور اُن کا کلام منظرِ عام پر نہیں آ سکا۔ صدقِ دل سے اگر کسی کام کی نیت باندھ لی جائے تو اللہ تعالیٰ کامیابی ضرور دیتا ہے۔ حسنین ساحر اب تک اپنی ان کاوشوں میں کامیابیاں سمیٹ رہے ہیں۔ تدوین کا کام ادب کی بہت بڑی خدمت ہے۔ اس سلسلے میں حسنین ساحر کا پہلا کارِنمایاں ان کا تحقیقی مقالہ تھا جس میں انھوں نے میاں محمد شفیع اختر ڈھانگروی کی سی حرفیوں کی تدوین کی تھی۔ اس کام میں انھیں پروفیسر ڈاکٹر نبیلہ رحمان کی سرپرستی حاصل رہی جنھیں تدوین کے کام کا خاصا طویل تجربہ حاصل ہے۔ اس پہلے کامیاب تجربے کے بعد ان کے اندر تدوین و تحقیق کا شوق مزید بڑھ گیا اور انھوں نے پنجابی ادب کے ان شاہپاروں کی تلاش کا سلسلہ مزید تیز کر دیا جو لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہیں۔ پنجابی ادب کی محبت میں حسنین ساحر نے اپنے روز و شب وقف کر دیے اور تاریخ کے گم گشتہ اوراق کی تلاش میں سرگرداں ہو گئے۔ اس عظیم کام میں شاید ان کی ذات کو کوئی فائدہ نہ ہو سکے، کیونکہ ان کاموں کا مالی منفعت سے کچھ علاقہ نہیں ہوتا، مگر یہ دعویٰ کرنا نامناسب نہیں کہ حسنین ساحر کی اس محنت کو زبان و ادب کی تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکے گی۔ حال ہی میں ان کی مدوّنہ کتاب ''سی حرفیاں میاں سید محمد چشتی (تحقیق و

تدوین)'' چھپ کر سامنے آئی۔جس میں نہ صرف میاں سید محمد چشتی کی سی حرفیوں کا تدوین شدہ متن شامل ہے بلکہ اُنسٹھ صفحات پر مشتمل بھرپور مقدمہ تحریر کیا گیا ہے جس میں کلام کا فنی وفکری جائزہ اوران کے حالاتِ زندگی کے بارے میں محققانہ تفصیلات موجود ہیں۔

میاں سید محمد چشتی کی ولادت 1827ء کے لگ بھگ ہوئی اور 1907ء میں انتقال ہوا۔آپ ضلع جہلم کی تحصیل سوہاوہ میں ''بھیٹ'' کے مقام پر پیدا ہوئے جو'' ٹلہ جوگیاں'' کے دامن میں واقع ہے۔آپ قصہ سیف الملوک کے خالق میاں محمد بخشؒ (1830ء ۔1907ء) اورخواجہ فریدؒ(1845ء ۔1901ء) کے ہم عصر تھے۔میاں سید محمد چشتی مذہبی رجحان رکھتے تھے اورحضرت پیر سید غلام حیدر علی شاہؒ سے عقیدت ووابستگی رکھتے تھے۔وہ ایک باعمل صوفی اور ہر دلعزیز شخصیت کے مالک تھے۔میاں سید محمد چشتی کوقدرت نے شعر موزوں کرنے کی صلاحیت سے نواز رکھا تھا۔اُن کی قادرالکلامی اُن کی سی حرفیوں سے عیاں ہے۔بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فی البدیہ شعر کہنے میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔وہ چونکہ ذاتی طور پرخواندہ نہیں تھے اس لیے ان کا کلام ان کی اولاد نے لکھا اور محفوظ کیا۔لیکن اس بات کا قوی امکان موجود ہے کہ آپ کا بہت سامزید کلام بھی تھا جوآج ایک صدی کے بعد نایاب ہو چکا ہے۔آج بھی اگر حسنین ساحر جیسا محقق میدان میں نہ اترتا تو شاید میاں سید محمد چشتی کا باقی ماندہ کلام بھی تاریخ کی دبیز چادر اوڑھ کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نظروں سے اوجھل ہوجاتا اور پنجابی ادب کے تذکرے میاں سید محمد چشتی کے نام سے محروم رہتے۔

حسنین ساحر نے ''سی حرفیاں میاں سید محمد چشتی'' میں تدوین وتحقیق کا ایک ایسا معیار مقرر کر دیا ہے جو بعد میں آنے والے محققین کے لیے مشعلِ راہ ہوگا۔ایک دیانت دار محقق کے طور پر تحقیق کا کوئی پہلو قیاس آرائیوں کے دھند لکے میں مبہم نہیں رکھا۔بلکہ اپنی ہر بات کو دلیل اورحوالہ دے کر واضح طور پر درج کیا ہے۔میاں سید محمد چشتی کے کلام کا فنی و

فکری جائزہ بھی غیر جانبدارانہ اور عالمانہ طریقے سے کیا گیا ہے۔ فنی وفکری جائزے میں میاں سید محمد چشتی کے زبان اور اسلوب، ہیئت اور بحر، تشبیہات اور تلمیحات، سراپا نگاری اور تمثیل نگاری جیسے اہم پہلوؤں کو مدِ نظر رکھا گیا۔

اپنی شاعری میں میاں سید محمد چشتی نے اپنے دیگر ہم عصر شاعروں کی طرح روایت پسندی کا مظاہرہ کیا اور روایات سے ہٹ کر چلنے کی کوشش نہیں کی بلکہ اپنی روایات کو ہی عظمت بخشی۔ ان کی شاعری میں درد اور سوز کا عنصر غالب ہے۔ وہ فنا فی المرشد کی منزل پر فائز نظر آتے ہیں۔ ان کے اکثر شعروں سے اپنے مرشد سے محبت کی خوشبو آتی ہے

۔

ث: ثابتی نال تحقیق جانی، میرا پیر ہے پیراں دا پیر سائیں
ایسا پیر یارو لوہا کرے سونا ، خاصاں سمجھیا خاص اکسیر سائیں

وہ خواندہ نہیں تھے اور نہ ہی ان کے زمانے میں کتب کی زیادہ فراوانی تھی لیکن بعض تاریخی واقعات کی طرف اشارہ کر کے جب وہ مدعا کہتے ہیں تو ان کی تاریخ سے آگہی اور وسعتِ فکر کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ

ت: تک کے معجزہ نبیؐ والا، آندا عمر خطابؓ ایمان یارو
ابو جہل رہیا وِچ جہل دے جی، سنگی جیں دا آہا شیطان یارو

میاں سید محمد چشتی کا زمانہ وہ زمانہ ہے جب پنجاب میں مختلف مواقع پر گائک اور قصہ خواں رات رات بھر محفلوں کو منظوم پنجابی قصوں سے گرماتے رہتے تھے۔ اور یقیناً میاں سید محمد چشتی بھی ان محفلوں کا حصہ رہے کیوں کہ ان کے کلام میں جابجا پنجابی قصوں کے کرداروں اور واقعات کی مثالیں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ

سوہنی ڈُب موئیا کچے گھڑے اُتے، ہیر چا بھتا بیلے جاوندی آ
پچھے شیریں دے اوفرہاد موئیا، سسی تھلاں دے وچ کرلاوندی آ

میاں سید محمد چشتی کا کلام پڑھ کر اس بات کا افسوس ہوتا ہے کہ پنجابی زبان کا اتنا عظیم شاعر تقریباً سوا صدی تک دنیائے ادب سے پوشیدہ رہا اور یہ سوچ کر دل پر چوٹ سی لگتی ہے کہ پنجابی زبان کے ایسے کتنے ہی میاں سید محمد چشتی ہوں گے جن کا کلام پنجابی ادب کے منظر نامے پر نہ ابھر سکا۔ قیامِ پاکستان کے بعد ادب کے خزینوں کو محفوظ کرنے کا کام قومی سطح پر ہونا چاہیے تھا۔ ایسا صرف پنجابی زبان کے شعرا کے ساتھ نہیں ہو رہا بلکہ قومی زبان سمیت تمام پاکستانی زبانوں کا ادب عدم توجہی کا شکار ہے۔ حسنین ساحر جیسے محققین ادبی سرمائے کو محفوظ کرنے میں کوشاں ہیں لیکن اشاعت کی راہ میں حائل مشکلات کے پیشِ نظر کتنے ہی اہم کام ہیں جو منظرِ عام پر نہیں آ سکے۔ شاعر اور ادیب قوموں کی پہچان ہوتے ہیں اور الحمدُ للہ پاکستان کے شعرا اور ادیب دنیا کی کسی قوم کے شاعروں اور ادیبوں سے کم نہیں۔ لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ پاکستان میں کسی سطح پر بھی ادب کی پذیرائی نہیں ہو رہی جو کہ افسوسناک بھی ہے اور خطرناک بھی۔

......☆......

[''ہم رکاب''، کراچی۔ اکتوبر تا دسمبر 2019ء]

سی حرفیاں میاں سید محمد چشتی: حسنین ساحر کی تحقیق

قمرزمان

ادب کے باب میں جب بھی تحقیق وتدوین کا ذکر ہوتا ہے تو ذہن میں اُردو ادب کے ان نامی گرامی بزرگوں کا خیال آتا ہے جنھوں نے اپنی شبانہ روز تگ ودو سے اُردو ادب کے تحقیقی سرمائے کو ثروت مند کیا۔ جنھوں نے ایک طرف تحقیق وتدوین کے اصول مرتب کیے اور دوسری طرف ان کی عملی تحقیق نے ادب کے دامن کو کئی نوادرات سے بھر دیا۔ مثال کے طور پر چند نام لیے جائیں تو حافظ محمود شیرانی، مولوی عبدالحق، مولانا امتیاز علی خان عرشی، ڈاکٹر محی الدین قادری زور، ڈاکٹر وحید قریشی اور ڈاکٹر جمیل جالبی کے نام لیے جا سکتے ہیں۔ ان ہی بزرگوں کی مساعیٔ جمیلہ سے اُردو ادب میں تحقیق کی روایت قائم ہوئی اور ارتقا کی منزلیں طے کیں۔ اُردو کے ساتھ ساتھ علاقائی زبانوں کے ادب کے فروغ کے لیے بھی محققین نے بڑی جانفشانی سے کام کیا اور ان زبانوں کے ادبی سرمائے میں گراں قدر اضافے کیے۔ تحقیق بلاشبہ ایک دقت طلب اور مسلسل محنت وریاضت کا کام ہے۔ اس سے وہی لوگ وابستہ ہوتے ہیں جو مضبوط اعصاب کے مالک ہوں اور کسی مالی منفعت اور شہرت سے بے نیاز ہوں ورنہ اچھی اور معیاری تحقیق کا سامنے آنا کارِ محال ہے۔

بزرگوں کے اسی وصف کے حامل نوجوان محقق حسنین ساحر نے گزشتہ برس اس وادیٔ پرخار میں قدم رکھا ہے اور پنجابی زبان میں اپنا تحقیقی مقالہ بعنوان ''سی حرفیاں میاں محمد شفیع اختر ڈھانگروی: تحقیق وتدوین''، مکمل کر کے ایم فل (پاکستانی زبانیں وادب) کی سند حاصل کی ہے۔ اسی تحقیق کے دوران انھیں میاں محمد شفیع اختر ڈھانگروی کے دادا میاں سید محمد چشتی کے کلام سے آگاہی ہوئی۔ لہٰذا انھوں نے میاں سید محمد چشتی کے کلام (سی

حرفیوں) کی تحقیق وتدوین کا بیڑا اُٹھایا اور بڑی محنت، لگن اور عرق ریزی سے ایک سال میں اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا جو ہمارے سامنے ''سی حرفیاں میاں سید محمد چشتی'' کی صورت میں موجود ہے۔ اس دوران میں حسنین ساحر کو کئی کٹھن مراحل سے بھی گزرنا پڑا۔ اس کا ادراک انھی لوگوں کا ہوگا جو تحقیق وتدوین کے کام سے وابستہ ہیں۔

حسنین ساحر نے تحقیق کے جدید اصولوں کی روشنی میں اس کام کو مکمل کیا اور اساتذۂ فن سے خوب داد سمیٹی ہے۔ ان کا یہ کام اس لیے بھی اہم ہے کہ یہ کسی سند کے حصول یا کسی مالی منفعت کے لیے نہیں کیا گیا۔ حسنین ساحر نے میاں سید محمد چشتی کے فن وشخصیت دونوں پر دادِ تحقیق دی ہے۔ ان کی تحقیق سے پتا چلتا ہے کہ میاں سید محمد چشتی، ڈھانگری مرزا، ضلع جہلم میں 1827ء میں پیدا ہوئے اور 80 برس کی عمر پائی۔ ان کے حالات زندگی کے مطالعے سے کسی طرح بھی ان کی رسمی تعلیم کا پتا نہیں چلتا اور خیال یہی کیا جاسکتا ہے کہ انھوں نے باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی۔ تاہم حسنین ساحر نے کتاب کے مقدمے میں یہ انتہائی اہم بات لکھی ہے کہ ''میاں سید محمد چشتی جیسے صاحبِ طرز شاعر جن کا ایک ایک لفظ تصوف ومعرفت کے رنگ میں رنگا ہوا ہے، اَن پڑھ کیسے ہو سکتے ہیں''۔ اور میاں سید محمد چشتی کے کلام کے مطالعے سے اس دعویٰ کی تصدیق ہوجاتی ہے کیوں کہ ان کا کلام فکری وفنی ہر دو لحاظ سے گہری ریاضت کا حاصل دکھائی دیتا ہے جس میں فنی پختگی اور موضوعات کا تنوع دکھائی دیتا ہے۔

حسنین ساحر نے ان کی سی حرفیوں کے متن کو ہی سامنے نہیں لایا بلکہ ان پر تنقیدی نگاہ بھی ڈالی ہے۔ میاں سید محمد چشتی کے کلام کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ ان کے ہاں سب سے بڑا موضوع عشقِ حقیقی اور دنیا کی بے ثباتی ہے۔ تاہم حسنین ساحر نے جن موضوعات کو اجاگر کیا ہے ان میں عشقِ حقیقی، عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، مرشد کی مدح، مخفیاتِ تصوف وعشق، وحدت الوجود، ذکر وتسبیحات، دنیا کی بے ثباتی، فکرِ آخرت اور ہجر ووصال شامل

ہیں۔اس کے ساتھ ساتھ کلام کا فنی جائزہ بھی لیا گیا ہےاور زبان و بیان، اسلوب، ہیئت اور بحر، تشبیہات و تلمیحات، سراپا نگاری اور تمثیل نگاری جیسی خوبیوں پر بھی حاشیہ آرائی کی گئی ہے۔اس سے حسنین ساحر کی تنقیدی بصیرت کا بھی پتا چلتا ہے جس طرح تخلیق اور تنقید کا گہرا تعلق ہےاسی طرح تحقیق کے ساتھ بھی تنقید کا بہت گہرا تعلق ہے۔

سی حرفی پنجابی شاعری کی صنف ہے اور اس کی ابتدا حضرت سلطان حق باہوؒ سے ہوئی۔ڈاکٹر انعام الحق جاوید اور پروفیسر مقبول بیگ بدخشانی نے بھی حضرت سلطان حق باہو کو سی حرفی کا موجد قرار دیا ہے۔

حسنین ساحر نے میاں سید محمد چشتی کی چار مکمل سی حرفیوں کے علاوہ کچھ متفرق کلام کو بھی کتاب میں شامل کیا ہے اور وضاحتی نوٹ بھی لکھے ہیں۔اس کے علاوہ ایک نہایت اہم کام کتاب کے آخر میں فرہنگ کا مرتب کرنا ہے، کیوں کہ میاں سید محمد چشتی کی زبان پر کسی قدر پوٹھوہاری رنگ بھی نظر آتا ہے۔لہٰذا، حسنین ساحر نے اس کو بھی بڑی محنت سے مرتب کر کے قارئین کے لیے آسانی پیدا کی ہے۔

حسنین ساحر ایک صلاحیتوں سے بھرپور نوجوان ہیں۔وہ پنجابی اور اُردو زبانوں میں خوب صورت شاعری کرتے ہیں اور ان کی اُردو شاعری کا مجموعہ اشاعت کے مراحل میں ہے(حسنین ساحر کی غزلوں پر مشتمل کتاب ''فصیلِ جاں'' 2018ء میں شائع ہوئی)۔ وہ ایک تحقیق کار ہے۔ریڈیو پر بھی اپنی آواز کا جادو جگاتے رہتے ہیں۔اس کے علاوہ مختلف ادبی موضوعات پر ان کے علمی و ادبی مضامین اخبارات و رسائل کی زینت بنتے رہتے ہیں۔یوں ہم انھیں ایک متحرک نوجوان کے طور پر دیکھتے ہیں جو ہمہ وقت کسی نہ کسی علمی و ادبی مشغلے میں مصروف رہتے ہیں۔حسنین ساحر کے معمولات اور رجحانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مستقبل میں کئی اہم علمی و ادبی کارنامے سرانجام دیں گے۔

زیرِ بحث کتاب ''سی حرفیاں میاں سید محمد چشتی: تحقیق و تدوین''، بزمِ تخلیق و تحقیق،

بھارا کہو، اسلام آباد نے شائع کی ہے۔ بزمِ تخلیق و تحقیق کے سربراہ پروفیسر محمد ثقلین ضیغم خود بہت اچھے شاعر اور محقق ہیں۔ اُردو زبان و ادب کی تدریس سے وابستہ ہیں۔ یہ کتاب صوری و معنوی؛ ہر دو حوالوں سے حسنین ساحر کی محنت کا ثمر دکھائی دیتی ہے جس پر وہ اور بزمِ تخلیق و تحقیق مبارک باد کی مستحق ہے۔

......☆......

[سالنامہ "الحمرا"، کراچی۔ جنوری 2018ء]

حسنین ساحر کی انفرادیت

قمر زمان

قدرت نے انسانوں کو بے پناہ صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ جو لوگ اپنی صلاحیتوں سے استفادہ کرتے ہیں وہی دنیا کی رنگارنگی میں اضافے کا باعث بنتے ہیں۔ معاشروں کا روایت سے جدت کی طرف سفر انھی باصلاحیت لوگوں کی بدولت ممکن ہوتا ہے۔ اقلیمِ ادب میں نت نئے موضوعات بھی انھی اہلِ ادب کی جدتِ طبع کے مظہر ہیں۔

حسنین ساحر بھی انھی لوگوں میں سے ایک ہیں جنھوں نے اپنی کم عمری میں ہی اہلِ ادب سے اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا ہے۔ حسنین ساحر کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ ادبی حوالے سے ایک متحرک نوجوان ہیں اور معاصر ادبی منظرنامے پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ نئے اور اچھوتے موضوعات پر قلم اٹھاتے ہیں۔ حسنین ساحر نے اپنے لیے جن موضوعات کا انتخاب کیا ہے وہ انتہائی محنت طلب اور عام ڈگر سے ہٹے ہوئے ہوتے ہیں۔ انھوں نے اپنے PhD کے مقالے کے لیے ایسے موضوع کا انتخاب کیا ہے جو ان کی جدتِ طبع کا آئینہ دار ہے۔ ''پنجابی نظم کا مابعد نوآبادیاتی مطالعہ'' ایک ایسا موضوع ہے جو ان کے عصری شعور کا بھی آئینہ دار ہے۔ انھوں نے وقت کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اس جدید موضوع کا انتخاب کیا ہے۔ اس سے ایک بات یہ بھی ظاہر ہوتی ہے کہ حسنین ساحر آج کے عام نوجوانوں کی طرح محض سند کے حصول کے لیے مقالہ نہیں لکھ رہے بلکہ وہ کچھ کر گزرنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں۔ روایت سے جدت کی طرف سفر کے لیے جس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت ہے وہ انسان کی خود اعتمادی ہے۔ اس کے بغیر نئے جہانوں کی دریافت ممکن نہیں ہوتی اور حسنین ساحر کی خود اعتمادی کی سب سے بڑی مثال یہ ہے کہ

آج کے دور میں نو آموز شعرا اور ادیب اپنی کتابوں کو شہرت و دوام بخشنے کے لیے بڑے اور نامور شعرا اور ادیبوں سے پیش لفظ، دیباچے اور تقریظیں لکھواتے ہیں اور اسے کامیابی کی ضمانت سمجھتے ہیں، لیکن حسنین ساحر نے اپنے پہلے شعری مجموعے ''فصیلِ جاں'' پر ایسی کوئی تحریر لکھوانے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ حالاں کہ ان کے روابط ادب کی نامور شخصیات کے ساتھ بڑے گہرے ہیں۔ لیکن ان کا کہنا ہے کہ ''اگر میری شاعری میں قاری کے لیے کچھ ہوا تو وہ خود اس کے مقام کا تعین کر دے گا''۔ ان کی خود اعتمادی کا ہی اعجاز ہے کہ ان کی کتاب کو ادبی حلقوں میں خوب پذیرائی ملی اور اس پر تحقیقی مقالہ تک لکھا جا چکا ہے (عنوان: حسنین ساحر کی غزل گوئی: تحقیق و تجزیہ از محمد وقار واقد، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور)۔ حسنین ساحر اپنی دُھن میں لگے ہوئے ہیں اور روز بروز ان کی شہرت میں اضافہ ہو رہا ہے۔

حسنین ساحر کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ اپنی تہذیب اور روایات کی پاسداری کرتے ہیں۔ محض اپنی محنت اور لگن اور ادب سے اپنی کمٹمنٹ کے باعث اس تھوڑے ہی عرصے میں نہ صرف اندرون ملک بلکہ ملک سے باہر بھی ادبی حلقوں میں اپنی شناخت قائم کر لی ہے۔ ان کی شاعری کے ساتھ ساتھ مختلف موضوعات پر علمی و ادبی مضامین پاکستان کے علاوہ پڑوسی ملک کے ادبی رسائل اور اخبارات کی زینت بھی بنتے رہتے ہیں جو ان کی عصری منظر نامے سے آگاہی اور کامیابی کی بڑی دلیل ہے۔

اگر حسنین ساحر اسی رفتار اور اسی خلوص سے ادب کے میدان میں سرگرم رہے تو کچھ ہی عرصے میں ان کا شمار ملک کے اہم اہلِ ادب میں ہوگا۔ آخر میں حسنین ساحر کی ایک غزل پیشِ خدمت ہے، ملاحظہ کیجیے:

اس کی آرزو کی ہے، کیا غلط کیا میں نے
بات دُو بہ دُو کی ہے، کیا غلط کیا میں نے
عشق ریگزاروں میں، سنگریزوں، خاروں میں

گُل کی جستجو کی ہے، کیا غلط کیا میں نے
پیٹھ پیچھے باتوں کو میں غلط سمجھتا ہوں
بات رُو بہ رُو کی ہے، کیا غلط کیا میں نے
کر رہے ہیں کیوں رُسوا، وہ مجھے محلے میں
اُن سے گفتگو کی ہے، کیا غلط کیا میں نے
اُس کو خوف کاہے کا، میری آپ بیتی ہے
نشر کُو بہ کُو کی ہے، کیا غلط کیا میں نے
عشقِ رائیگاں کی جو داستان ہے میری
نظم ہُو بہ ہُو کی ہے، کیا غلط کیا میں نے
اِک غبار تھا دل پر، وہ نکالنا تھا بس
اِک ''صدائے ھُوٗ'' کی ہے، کیا غلط کیا میں نے

......☆......

[روزنامہ ''جیو ہزارہ'' ہری پور (جیو ادب)۔27اپریل2021ء]

حسنین ساحر: ایک ترغیب کار

شاکر اعوان

حسنین ساحر کے بڑے بھائی پروفیسر محمد ثقلین ضیغم سے میری دوستی بہت پرانی ہے۔ ہم دونوں پاکستان ایئر فورس میں ایک ساتھ پیشہ ورانہ فرائض انجام دیتے رہے۔ وہیں ہم دونوں نے ''بزمِ تخلیق و تحقیق'' کا خواب دیکھا تھا جو ثقلین ضیغم کی ریٹائرمنٹ کے بعد 2013ء میں ان کے شعری مجموعے ''شبِ سرخاب'' کی اشاعت کے ساتھ ہی شرمندۂ تعبیر ہوا۔ بزمِ تخلیق و تحقیق کا پہلا پروگرام ''شبِ سرخاب'' کی رونمائی کی صورت میں منعقد ہوا۔ اس کے بعد 2013ء ہی میں اس تنظیم کی پہلی ادبی نشست کا آغاز میرے گھر (اعوان ہاؤس، کرلوٹ) سے ہوا۔ جس میں بھارا کہو اور گردونواح سے شعرا اور لکھاری شریک ہوئے۔ یہی وہ یادگار موقع تھا جب حسنین ساحر کی تخلیقی صلاحیتیں کھل کر سامنے آئیں۔ نہ صرف میرے لیے بلکہ تمام شرکاء اور بزمِ تخلیق و تحقیق کے ممبران کے لیے خوش گوار حیرت کا مقام تھا جب حسنین ساحر نے ایک اُردو اور ایک پنجابی غزل سنائی۔ اس موقع پر پڑھی گئی ان کی اُردو غزل کے دو اشعار دیکھیے جو میری بیاض میں محفوظ ہیں:

مضمحل کاندھوں پہ اب رسوائیوں کا بوجھ ہے
دل ہے میرا مضطرب، تنہائیوں کا بوجھ ہے
ہم بھی ساحرؔ جی سراہے جاتے ایوانوں میں آج
اپنی فطرت پر مگر سچائیوں کا بوجھ ہے

حسنین ساحر کا سوانحی حوالہ یوں ہے کہ وہ 12 دسمبر 1982ء میں پیدا ہوئے۔ ایم ایس سی (ماس کمیونی کیشن)، ایم اے (اُردو) اور ایم اے (پنجابی) کرنے کے بعد انھوں

نے ایم فل (پاکستانی لینگوئجز) کیا۔ اس وقت پی ایچ ڈی (پاکستانی لینگوئجز) کے ریسرچ اسکالر ہیں۔ شعبۂ تدریس سے وابستہ ہیں۔ ''فصیلِ جاں'' ان کا غزلیہ مجموعہ ہے۔ اس کے علاوہ ''سی حرفیاں میاں سید محمد چشتی: تحقیق و تدوین۔ سی حرفیاں میاں محمد شفیع اختر ڈھانگروی: تحقیق و تدوین۔ کافیاں شاد فاروقی: تحقیق و تدوین۔ مدنی نگری پیا براجے: تحقیق و تدوین (میاں محمد شفیع اختر ڈھانگروی کی پنجابی نعتیں) ان کے تحقیقی کارنامے ہیں۔

حسنین ساحر کو شہرت کی طلب نہیں ہے۔ خود کو پراجیکٹ کرنے کے قائل نہیں ہیں۔ ان کی شخصیت کی خوبی یہ ہے کہ وہ بہت خاموشی سے بہت بڑا کام کر گزرتے ہیں لیکن نمائش نہیں کرتے۔ وہ وقت سے پہلے اپنے کام کی اشتہار بازی نہیں کرتے۔ لوگ انھیں مغرور سمجھتے ہیں لیکن عجز و انکسار ان کا خاص وصف ہے۔ خوددار ہیں، انا پرست ہیں، لیکن مغرور نہیں ہیں۔ انھیں اپنی صلاحیتوں کا گھمنڈ نہیں ہے۔ اپنی علمیت اور صلاحیتوں کا رعب نہیں جھاڑتے۔ اپنی کامیابیوں اور کارناموں کے چرچے نہیں کرتے۔ ان کے اسی وصف میں ان کی کامیابی کا راز ہے۔ شاید اسی لیے ڈاکٹر شکیل کاسیروی انھیں ''بابا حسنین ساحر'' یا پھر ''کرم یافتہ'' انسان کہتے ہیں۔ بلاشبہ، وہ کرم یافتہ انسان ہیں۔ دوسروں کے لیے بہت خوش قسمت ثابت ہوئے ہیں۔ بہت سے لوگ ان کی وساطت سے ماسٹر ڈگری ہولڈرز ہیں اور بہت سے لوگ ان کی وجہ سے صاحبِ کتاب ہیں۔ باقی لوگوں کا تو نام نہیں لوں گا لیکن میں اور ڈاکٹر شکیل کاسیروی اس بات کا اکثر اظہار کرتے ہیں کہ ہماری تحریروں کو کتابی صورت میں اشاعت آشنا کرنے میں حسنین ساحر نے بہت اہم کردار ادا کیا۔ کیوں کہ حسنین ساحر بہت اچھے ترغیب کار ہیں۔ انھیں ترغیب دینا اور ہمت افزائی کر کے کام کروانا آتا ہے۔ انھوں نے میری کتاب ''وادیٔ چھتر کرلوٹ'' کی کمپوزنگ سے لے کر اشاعت تک ہر مرحلے میں میرا ساتھ دیا۔ مختلف تحقیقی دوروں میں میرے ہم قدم چلے۔ میں نے جب بلایا، سردی، گرمی، دھوپ، بارش کی پروا کیے بغیر پہنچے۔

''وادیٔ چھتر کرلوٹ'' کے لیے حسنین ساحر نے فوٹو گرافی بھی کی۔ انھوں نے جن مناظر کی تصاویر لیں اور انھیں جس طرح کتاب میں جگہ دی، میں ان کی حسِ جمالیات کا قائل ہو گیا۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے مشترکہ وابستگی، میرے اور حسنین ساحر کے درمیان قربتیں بڑھانے کا باعث بنی۔ حسنین ساحر بہت اچھے صداکار ہیں۔ بالخصوص تحت اللفظ میں شاعری پڑھنے کی وجہ سے بہت مقبول ہیں۔ محفلوں میں بہت زیادہ بولتے نہیں ہیں۔ بولنے سے زیادہ سننے کو ترجیح دیتے ہیں۔ بزمِ تخلیق وتحقیق کے علاوہ مشاعروں میں شریک نہیں ہوتے۔ اپنی کتابوں کے دیباچے اور فلیپ نہیں لکھواتے۔ ان چند عادات کی وجہ سے لوگ انھیں مغرور سمجھتے ہیں لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ وہ مغرور ہرگز نہیں ہیں۔ straight forward انسان ہیں، گھما پھرا کر بات کرنا انھیں پسند نہیں، شاید اسی لیے لوگ غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ان کا یہ شعر ان کے مزاج کی خوب ترجمانی کرتا ہے:

جو بھی کہنا ہے کہو، رام کہانی چھوڑو
بات اچھی نہیں لگتی مجھے تمہید کے ساتھ

حسنین ساحر قلم اور کتاب سے رشتہ جوڑنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ قلم اور کتاب سے محبت انھیں اپنے والد ''ملک شبیر حسین'' سے وراثت میں ملی ہے۔ ان کے والد درس و تدریس سے وابستہ تھے۔ تعلیم وتعلم سے انھیں خاص لگاؤ تھا۔ ان کے دونوں صاحبزادے ''ثقلین ضیغم'' اور ''حسنین ساحر'' دونوں ان کی سنت پر عمل کرتے ہوئے تدریس سے وابستہ ہیں اور قلم اور کتاب کی خدمت میں مصروف ہیں۔ حسنین ساحر کی کتاب ''فصیلِ جاں'' سے ایک شعر دیکھیے:

مجھ پہ لکھا نہیں گیا لیکن
مجھ پہ لکھیں گے ایک دن سارے

حسنین ساحر کی یہ بات سچ ثابت ہو رہی ہے۔ ان پر مختلف جامعات میں تحقیق

جاری ہے۔ مختلف ناقدین ادب ان کی تخلیقی صلاحیتیوں کو موضوعِ بحث بنا رہے ہیں۔ بہت کم عمری میں انھوں نے وہ مقام حاصل کر لیا ہے جس کی خواہش میں لوگوں کی عمریں نکل جاتی ہیں۔ دعا ہے اللہ انھیں مزید کامیابیوں سے نوازے۔ آمین۔

آخر میں ان کی ''فصیلِ جاں'' سے چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

سادھوؤں کو بھی راون بھجن بھا گیا
سنکھ اور ناد پر بجلیاں گر پڑیں

اس کے آنے سے برف ٹوٹی ہے
لب ہلے اور پھر صدا ناچی

مِری فطرت تو ہے آبِ رواں سی
میں اونچائی سے پستی میں چلا ہوں

آمریت کا جنوں ہے مِرے پرکھوں کی عطا
ہم سفر! کیسے چلوں میں تیری تائید کے ساتھ

......☆......

[سہ ماہی ''دستک۔ مری''۔ جنوری تا اگست 2020ء]

حسنین ساحر: ڈاکٹر شکیل کاسیروی کی نگارشات کے آئینے میں

محمد حسنین جتوئی

ڈاکٹر شکیل کاسیروی ایک معروف کالم نگار اور ادیب ہیں۔ گزشتہ کئی دہائیوں سے ان کے کالم مؤقر اخبارات کی زینت بن رہے ہیں۔ ان کے کالموں کی خاص بات یہ ہے وہ روزمرہ زندگی سے موضوعات نکالتے ہیں اور بظاہر عام سی بات کو اس کے عمیق سماجی تناظر میں پیش کر کے اس کی اہمیت سے قارئین کو آگاہ کرتے ہیں۔ سماج اور معاشرے پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ بالخصوص بدلتی ہوئی اقدار اور سماجی و معاشرتی مسائل کے حوالے سے لکھنا ان کی شخصیت کا وصفِ خاص ہے۔ اُن کی کتاب ''دیدۂ دِل''، 2018ء میں منصۂ شہود پر آئی جو اُن کے اخباری کالموں کا مجموعہ ہے۔ حسنین ساحر کے ساتھ ان کا تعلق بہت گہرا ہے۔ دونوں ہی ایک دوسرے کے ساتھ بہت جذباتی وابستگی رکھتے ہیں۔ یہاں ڈاکٹر شکیل کاسیروی کی وہ نگارشات پیش کی جا رہی ہیں جو انھوں نے حسنین ساحر کی شخصیت کے حوالے سے وقتاً فوقتاً مختلف مقامات و مواقع پر تحریر کی ہیں۔

حسنین ساحر نے ڈاکٹر شکیل کاسیروی کے کالموں کے مجموعے ''دیدۂ دِل'' کی ترتیب وتدوین کی ہے۔ ڈاکٹر صاحب اس کتاب میں شامل اپنے پیش لفظ میں حسنین ساحر کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''بزمِ تخلیق و تحقیق ہی کے طفیل حسنین ساحر سے ملاقات ہوئی۔ پھر میں ان کا اور وہ میرے ہو گئے۔ باقی سارے کردار سائیڈ لائن ہو گئے۔ میری صبح کا آغاز ان کے خوب صورت پیغام سے ہوتا ہے۔ یہ سلسلہ اب برسوں پر محیط ہو گیا ہے۔ آندھی ہو یا طوفان، برف ہو، گرمی ہو یا

سردی ہو، حالات جیسے بھی ہوں۔ حسنین ساحر نے مجھے روزانہ صبح ایک دعائیہ میسیج ضرور بھیجنا ہوتا ہے۔ میرے گھر میں ایک کمرہ ہے جس کی الماری میں میری طرح میری سال خوردہ کتب ہیں جو میری بیگم اور موسم کی سنگینیوں سے کسی طرح بچ نکلیں۔ میں ان کے ساتھ جیتا ہوں۔ اخباری اور قلمی تراشے ہیں۔ میری ڈائریاں ہیں اور بچپن یا سکول لائف کی البم۔ میں اپنے ملنے والوں کو اکثر دکھاتا ہوں جو میرا کل اثاثہ ہیں۔ حسنین ساحر کے ساتھ چوں کہ قلبی تعلق ہے۔ کہہ سکتے ہیں ہماری Chemistry میچ کر گئی ہے۔ عمروں کا بہت فرق ہے لیکن سوچ دونوں کی طفلانہ ہے۔ انھیں میں نے ایک بار اپنی تحریریں دکھائیں جن میں سے زیادہ تر اخبارات و رسائل میں شائع ہو چکی تھیں۔ انھوں نے کہا اس کام کو اکٹھا کرتے ہیں یا اس کی کوئی شکل بناتے ہیں۔ پہلے بھی لکھ چکا ہوں کہ میں ذرا سست الوجود ہوں۔ کسی کام میں کوئی دھکیلے تو کرتا ہوں ورنہ پڑا رہتا ہوں۔ حسنین ساحر بار بار بلکہ ہر بار جب ملاقات ہوتی تو کہتے کہ یہ کرنے والا کام ہے۔ یہ کام نظر انداز کیے جانے والا نہیں۔ مجھے کبھی بھی کسی عہدے یا رُتبے کا یا شہرت کا شوق نہ رہا نہ کبھی اپنی صلاحیتوں کی مارکیٹنگ کی۔ مجھے اپنے اندر کبھی کوئی صلاحیت نظر نہ آئی۔ بس چل سو چل کے انداز میں زندگی گزاری۔ حسنین ساحر کے کہنے پر میں نے اپنی دو ڈائریاں ان کے حوالے کیں کہ اس میں جو مواد پہلے سے شائع شدہ ہے اسے ترتیب دلوائیں۔ وہ ڈائری لے گئے اور اس پر کام شروع کر دیا۔ صبح شام ہمارا رابطہ ہوتا رہا۔ میرا خیال تھا کہ 150 صفحات تک مواد پہنچ جائے تو غنیمت ہوگا۔ لیکن جب میری ڈائری کے اوراق کو کھنگالا گیا تو اس میں سے کافی مواد

ایسا نکلا جو بقول حسنین ساحر کے دلچسپ ہے۔ سچی بات بتاؤں تحریریں میری ہیں لیکن انہیں کتاب کی صورت میں آپ کے سامنے لانا حسنین ساحر کی محبتوں کی معراج ہے۔ مجھے مجھ سے نکال کر کھوجنے اور منصۂ شہود پر لانے میں اتنا کرب، اتنی اذیت میں نے برداشت نہیں کی، جتنی حسنین ساحر نے کی۔ میں یقین سے کہتا ہوں کہ اگر میرے ساتھ حسنین ساحر نہ ہوتے تو آج کیا، کبھی بھی میں صاحبِ کتاب نہ ہوتا۔ میری پنڈی سے سترہ میل منتقلی اور مذکورہ احباب سے روابط اور پھر بزم تخلیق و تحقیق میں شمولیت، پھر حسنین ساحر سے دوستی۔ حسنین ساحر نے حقیقی معنوں میں میری تحریروں کے ساتھ ساتھ میرے اندر کے انسان کو بھی دریافت کیا۔ میں اپنے جذبوں کو الفاظ کا روپ نہیں دے سکتا۔ لیکن اتنا کہوں گا کہ جیسے ایک باپ اولاد پیدا کرتا ہے اور کوئی مہربان اسے باپ سے بڑھ کر پالتا ہے۔ حسنین ساحر نے میری تخلیقات کو پالا پوسا، گبھرو جوان بنایا ہے اور سب کے سامنے لایا ہے۔ یعنی کمیشن دلوایا اور وطن کے حوالے کر دیا۔ خالی خولی تعریف نہیں کی۔ صرف محرک نہیں بنے۔ صرف زبانی دعوے نہیں کیے۔ بلکہ حسنین ساحر نے کام پکڑا اور لے گئے کہ آپ رہنے دیں۔ آپ کے بس کی بات نہیں۔ آپ کے پاس رہا تو اسے دیمک چاٹ جائے گی۔ اور جُت گئے۔ بے لوث، بے غرض۔ صبح شام مجھے دھکیلتے رہے اور کام کرواتے رہے۔ اتنی محنت انہوں نے اپنے ایم فل کے تھیسز میں نہ کی ہو گی جتنی میرے لیے کی۔ پتہ نہیں کس سے کمپوزنگ کروائی۔ ہر ہفتے مواد لے کر جاتے رہے اور پھر ایک دن مرتب کر کے مسوّدہ کی سافٹ کاپی میرے حوالے کر دی۔ ایسا لگتا تھا میں اپنا نہیں، اُن کا کام کر رہا ہوں۔ بلا شبہ،

اس گئے گزرے دور میں جب ہر کوئی اپنی چکی کے دو پاٹوں میں پس رہا ہے، حسنین ساحر میرے لیے ''بابا حسنین ساحر'' بن گئے ہیں۔ میں سرتا پا ممنون ہوں اس شخصیت کا کہ جو میرے کام کو، نہ ہونے والے کام کو، کبھی منظرِ عام پر نہ آنے والے کام کو اپنی محبتوں کے طفیل ''دیدۂ دل'' کی صورت میں سامنے لے کر آیا۔ میں نے تحریروں کا بُٹل بنا کر دے دیا تھا۔ ان کو ترتیب و تدوین دینا اور پریس کر کے پریس تک پہنچانا، یہ سب حسنین ساحر کا کام ہے:

اے خدا مجھے لاکھوں میں چھانٹ کر دے دے

وہ چند لوگ جو کانٹوں پہ ساتھ چلتے ہیں

حسنین ساحر دوستوں کے لیے جان جوکھم میں ڈالنے والے انسان ہیں۔ میرے کام کے دوران وہ بیمار بھی رہے۔ سب سے بڑی بات کہ میں تحریریں بھیجنے سے پہلے انہیں سناتا تھا۔ انہوں نے اس کتاب کے دوران مجھے اور میری تقریروں کو صبح شام برداشت کیا۔ وہ دُہرے عذاب کا شکار رہے۔ لیکن ہر بار خوش دلی سے کہتے ''سنائیں سر جی سنائیں'' اور میں شروع ہو جاتا۔ آخر میں ان کے لیے اتنا کہوں گا کہ اگر یہ کام وہ نہ کرتے، تو اِس کام نے نہیں ہونا تھا۔ میں بدلے میں انہیں کچھ نہیں دے سکتا کہ ایسی کوئی کرنسی ایجاد نہیں ہوئی جو محبت کا معاوضہ بن سکے''۔ (دیدۂ دِل، ص:28,29)

دوسروں کو ترغیب دلانے کی عادت کے باعث ہی حسنین ساحر کو ان کے احباب ''بابا حسنین ساحر'' کہتے ہیں۔ حسنین ساحر کی شخصیت کی اسی خوبی کے پیشِ نظر شاکر اعوان نے ''حسنین ساحر: ایک ترغیب کار'' کے عنوان سے مضمون لکھا جو ''دستک۔ مری'' میں شائع

ہوا تھا۔ محمد وقار واقد کی کتاب ''حسنین ساحر کی غزل گوئی'' میں مختلف شخصیات کی آرا شامل ہیں جن میں حسنین ساحر کی شخصیت کے حوالے سے بات کی گئی ہے۔ وہاں بھی ڈاکٹر شکیل کاسیروی کی تحریر موجود ہے۔ ملاحظہ ہو:

> ''حسنین ساحر ایک ہمہ جہت شخصیت ہیں۔ علمی، ادبی اور تحقیقی سرگرمیوں سے قطع نظر، وہ بہت اچھے اینکر پرسن بھی ہیں۔ خوب صورت آواز و انداز کے مالک ہیں۔ بحیثیت انسان بہت سچے، کھرے اور نیک نیت انسان ہیں۔ یاروں کے یار ہیں۔ انتہائی مخلص اور بے لوث انسان ہیں۔ بغیر لالچ کے دوسروں کے کام آنا، ان کی مدد کرنا ان کا وصف ہے۔ حسنین ساحر، بادشاہ گر ہیں۔ ان کے توسط سے بہت سے ہمارے دوست صاحبِ کتاب ہوئے۔ ''اپنا کسے نوں کر لے، یا آپ کسے دا ہو بیلیا'' کے مصداق حسنین ساحر کسی کا ہو کر، اسے اپنا بنا لیتے ہیں۔ ان میں معاف کرنے کی بہت بڑی صلاحیت ہے۔ ان کا معاف کرنے کا جذبہ قابلِ ستائش ہے۔ وہ کسی کی بڑی سے بڑی غلطی اور زیادتی معاف کر دیتے ہیں اور یوں بھول جاتے ہیں جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ انھیں علم ہو جاتا ہے کہ فلاں شخص مخالف ہے اور نقصان پہنچا رہا ہے لیکن وہ کبھی اسے اپنی نظر میں گرانے کی، شرمندہ کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ بہت بڑے دل کے انسان ہیں۔ مجھے حیرت ہوتی ہے کہ اس مطلب کی دنیا میں ان جیسا بے غرض انسان موجود ہے جو سراپا محبت ہے۔ ان کے معمولات اور مزاج کو دیکھتے ہوئے مجھے حسنین ساحر میں ایک صوفی نظر آتا ہے۔ میں اسی لیے انھیں ''بابا حسنین ساحر'' کہتا ہوں۔ مجھے حیرت ہوتی ہے کہ یہ کس مٹی کا بنا ہوا انسان ہے جو نہ بہانہ بناتا ہے، نہ جھوٹ بولتا ہے، نہ انکار کرتا ہے۔ بس اپنی

صلاحیتوں سے بڑھ کر مدد کر جاتا ہے۔ حسنین ساحر کرم یافتہ انسان ہے؛ یہی وجہ ہے کہ اتنی کم عمری میں اسے اس قدر کامیابیاں اور شہرتیں حاصل ہوئیں۔ وہ کسی اور دنیا کا انسان ہے جسے اللہ نے ہماری دنیا میں بھیج دیا۔ میں خوش نصیب ہوں کہ مجھے حسنین ساحر جیسا دوست اور چھوٹا بھائی ملا''۔ (حسنین ساحر کی غزل گوئی، ص:33)

بلاشبہ، حسنین ساحر ایک منفرد شخصیت کے مالک ہیں۔ ان کی شخصیت کا خاص پہلو یہ ہے کہ وہ ہمہ وقت مدد کے لیے تیار رہتے ہیں اور علمی و ادبی حوالے سے دوستوں کے لیے ترغیب اور حوصلہ افزائی کا باعث ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بہت کم عمری ہی میں انھیں بہت پذیرائی ملی ہے۔ دعا ہے ان کا یہ علمی و ادبی سفر اسی تیزی سے جاری رہے اور وہ زندگی کے ہر قدم پر کامیابیاں سمیٹتے رہیں۔

......☆......

[مظفر گڑھ، 10 جون 2022ء]